# تاریخِ احمدیت آسٹریلیا

(ابتدا سے لے کر 1965ء تک)


مرتبہ

ملک عمران احمد

زیرِ ادارت

محمود احمد شاہد

(امیر و مشنری انچارج جماعت احمدیہ آسٹریلیا)

# براعظم آسٹریلیا میں اسلام

اسلام آسٹریلیا میں ایک اقلیتی مذہبی گروہ Minority Religious Group ہے اور 2011ء کی مردم شماری کے مطابق 476300 یا کل آبادی کا 2.25٪ حصہ مسلمان ہے۔ اس طرح عیسائیت 64٪، دہریت 22.9٪ اور بدھ ازم 2.5٪ کے بعد اسلام چوتھا بڑا مذہبی گروہ ہے[1] اس دور دراز کے براعظم میں اسلام کیسے پہنچا اس کی مختصر تاریخ درج ذیل ہے

## آسٹریلیا اور مشرقِ بعید میں اسلام کی مختصر تاریخ

عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آسٹریلیا باقی مہذب دنیا سے ہزاروں سال سے الگ رہا۔ چنانچہ مشہور مؤرخ Geoffrey Blainey لکھتے ہیں کہ ”اٹھارویں صدی میں جب ساری دنیا ایک ہو رہی تھی آسٹریلیا تب بھی اپنی دنیا آپ تھا، یہ ایک الگ دنیا تھی، یہ خطہ یورپ کے رسوم ورواج اور تجارت کے طریقوں سے بالکل ناواقف تھا حتیٰ کہ ہمالیہ اور سائبیریا کے برف زاروں میں بسنے والوں سے بھی بڑھکر یہ لوگ باقی دنیا سے الگ تھلگ تھے۔“[2]

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آسٹریلیا میں صدیوں تک مشرق بعید، انڈونیشیا اور دیگر قریب کے جزائر کے رہنے والے آتے جاتے رہے۔ مشرق بعید کے اس علاقے میں اسلام کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ عرب اور چین کے درمیان تانگ دور حکومت (Tang Dynasty 608-907) کے دوران تجارت ہوتی تھی جس کا راستہ آسٹریلیا کے قریب اسکے شمال کی طرف سے ہو کر گذرتا تھا۔ تاریخ میں ذکر ملتا ہے کہ 616 عیسوی میں آنحضورؐ کے چند صحابہ نے ایتھوپیا (حبشہ) سے Guangzhou (چین) کا سفر کیا۔ آپؓ ان صحابہ میں شامل تھے جو کفار کے مظالم سے تنگ آکر ہجرت حبشہ کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ پھر آپؓ عرب واپس چلے گئے اور ان میں سے ایک صحابی 21 برس کے بعد قرآن کریم کا ایک نسخہ لے کر لوٹے۔ انہوں نے ایک مسجد، جو اب بھی یادگار مسجد Mosque of Rememberance کے نام سے موسوم ہے، چین کے علاقے Kwang Ta میں بنائی۔ مشرق بعید کے جزائر میں اسلام کی آمد کے بارے میں زمانہ یا تاریخ آسانی سے معین نہیں کیے جاسکتے۔ بعض تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ نویں صدی عیسوی میں عرب تاجر اور ملاح Nanhai اور مشرق بعید کی تجارت پر خاص اثر رکھتے تھے اور سماٹرا کے مغربی ساحل پر 674 عیسوی سے مسلمانوں کی ایک بستی تھی جبکہ 878 عیسوی تک دیگر مسلمان بستیاں پھیلنا شروع ہو گئیں۔

اسلام ان علاقوں میں تدریجاً پھیلا اور بہت سے تاریخ دانوں کے مطابق بارھویں صدی کے آخر میں جزائر میں رہنے والوں کیلیے اسلام ان کی زندگی کا اہم جزو تھا۔ اس بات کے شواہد بھی ملتے ہیں کہ بعض عرب مسلمان سیاح آسٹریلیا کے شمال تک بھی پہنچے چنانچہ 820 میں محمد ابن موسیٰ الخوارزمی نے Java (جاوا) کے سمندر کا جو نقشہ بنایا تھا اس میں Peninsula Cape York، پھر ایک V کی شکل میں Gulf of Carpentaria اور ایک گول Arnhem Land بھی بنایا۔

اس کے بعد 934 میں ابو اسحاق الفارسی استغاری کے بنائے ہوئے نقشے میں بھی آسٹریلیا کے شمالی ساحل کا خاکہ (Outline) موجود ہے۔

1350 میں جب ابن بطوطہ نے سماٹرا کا سفر کیا تو اسلام وہاں اچھی طرح قائم ہو چکا تھا اسی طرح بعض دوسرے سیاحوں نے بھی اپنے سفروں کی روداد اور یاداشتیں چھوڑی ہیں۔ جیسا کہ مشہور چائینیز (Chinese) مسلمان ایڈمرل زینگ ہی Zhang He کی، ان سے بھی آسٹریلیا سے ان کے رابطے کا سراغ ملتا ہے۔

1430 اور اس کے بعد چائینیز سیاحوں کے بعد ایرانی (Persian) اور گجراتی ملاحوں (انڈین) نے ان علاقوں کی طرف آنا شروع کیا جس کے نتیجے میں اسلام انڈونیشیا میں پھیلا، اسی طرح جاوا اور اسکے گردونواح میں پہنچا۔ Moluccas میں سولویں (16th) صدی کے آغاز میں اور Macassae میں سترویں (17th) صدی کی پہلی دہائی میں اسلام پہنچا۔ یہ مسلمان Macassans اور Buginese ہی تھے جنہوں نے آسٹریلیا سے روابط قائم کیے۔

Macassans ملاح Southern Sulawesi سے اپنی کشتیوں جنہیں Prahus کہا جاتا ہے میں Darwin (ڈارون) کی طرف سفر کیا کرتے تھے، وہ علاقہ جو Gulf of Carpentaria اور Kai Djawa میں Darwin کی مغرب کی جانب ہے۔

R.M اور C.H Berndt نے 1947ء میں ان جزائر کے رہنے والوں کے آسٹریلیا پر اثر اور اسکے نفوذ کا جائزہ لیتے ہوئے یہ تجویز کیا کہ Marege کے رہنے والے آسٹریلیا کے قدیم باشندوں (Aborigines) اور Macassans کے 16ویں صدی کے آغاز سے روابط تھے لیکن اس رابطے کا ٹھوس ثبوت 1751ء اور 1754ء کے درمیان ملتا ہے۔

پوباسو (Pobassoo) ایک Macassan Master (مکاسن ماسٹر) جو 6 کشتیوں Prahus کا مالک تھا 1803ء میں انگریز سیاح Mathew Flinders سے Arnhem Land کے شمال مشرقی حصے Malay Roads پر اسکے ساتھ مڈبھیڑ ہوئی۔ گفتگو کے دوران Pobassoo نے بتایا کہ وہ گذشتہ 20 برسوں میں کئی دفعہ یہاں آچکا ہے۔ Flinders مزید لکھتا ہے

کہ یہ ملاح محمڈن Mohammadan تھے۔ ہر سال دسمبر میں جب ہوائیں جنوب کی سمت چلنا شروع ہوتیں تو یہ Macassan اپنے علاقوں سے نکل جاتے اور اپنی Prahus کشتیوں کے ذریعے آسٹریلیا کے ساحلی علاقوں Mareege وغیرہ پر کیمپ کرتے۔ تقریباً 4 ماہ کے بعد جب سورج شمالی کرہ کی طرف حرکت کرتا اور ہوائیں شمال کی طرف چلنا شروع ہوتیں تو یہ Macassan اپنے علاقوں کو واپس چلے جاتے اور مئی تک یہ سب چلے گئے ہوتے۔ جتنا عرصہ وہ آسٹریلیا میں رہتے وہ سمندری Slug اور Trepang پکڑتے، پکاتے اور خشک کرکے رکھ لیتے۔ Trepang کی خصوصاً چائینز مارکیٹ میں بہت مانگ تھی جہاں یہ نہایت اعلیٰ اور نفیس غذا سمجھی جاتی تھی۔ Macassan کی یادگار پتھر کے بنے ہوئے چولہوں کے علاوہ Tare درخت اور ان کے بیج ہیں جو وہ چاولوں میں ذائقے کے لیے استعمال کرتے تھے اور بیج وہیں کیمپس کے قریب پھینک دیتے تھے۔ Macassan اور Aborigines کے درمیان باہمی روابط نے Aborigines کی زبان پر بھی اثر ڈالا اور ان Macassan مسلمانوں نے آسٹریلیا کے Aborigines پر گہرے اثرات چھوڑے جن کے نشانات ان کی ثقافت اور بعض رسوم و رواج میں بھی ملتے ہیں۔ اسی طرح آسٹریلیا جب British Colony بنا تو Settlement کے دوران جن قیدیوں کو یہاں لایا گیا ان میں سے بھی آٹھ مسلمانوں کے نام ملتے ہیں[3]۔

اسی طرح 1870ء کے قریب بہت سے مسلمان ملائے Malay غوطہ خوروں کو Western Australia اور Northern Territory کے پانیوں میں موتی ڈھونڈھنے کے لیے بلایا گیا اور 1875ء میں تقریباً 1800 مسلمان غوطہ خور ویسٹرن آسٹریلیا Western Australia میں کام کر رہے تھے جن میں سے اکثر واپس اپنے گھروں کو چلے گئے[4]۔

## افغان ساربان Afghan Cameleers

اگرچہ جزائر کے رہنے والے مسلمان کئی صدیاں آسٹریلیا میں آتے جاتے رہے لیکن 1768ء کے بعد جب آسٹریلیا ایک برٹش کالونی بنا تب سے ان کی آمد و رفت کئی پابندیوں کی وجہ سے بہت کم ہو گئی۔ چنانچہ آسٹریلین معاشرے پر وہ کوئی قابل ذکر اثر نہ چھوڑ سکے لہذا آسٹریلیا میں مسلمانوں کی باقاعدہ آمد اور تاریخ پر ان کا دیرپا اثر افغان مسلمان ساربانوں کی آمد سے ہی شروع ہوا۔

انیسویں صدی کے وسط میں آسٹریلیا میں پیدا کردہ اُون کی یورپ کی مارکیٹ (منڈیوں) میں بے حد مانگ تھی اور یہ واضح ہو گیا تھا کہ جو قیدی یا مزدور اس وقت آسٹریلیا میں موجود تھے وہ ناکافی تھے لہذا مزدوروں کو بھرتی کرنے اور مزدوروں کو بیرون ممالک سے بلانے کی بہت سی سکیمیں تیار کی گئیں۔ 1850ء کی دہائی میں سونے کی دریافت کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں

لوگوں نے آسٹریلیا کارخ کرنا شروع کیا۔ صرف وکٹوریہ میں 1851ء سے 1861ء میں 10 سال کے دوران آبادی 97489 سے بڑھ کر 539762 تک پہنچ گئی جس کا نتیجے میں نئی زرعی فارمز اور اسی طرح آسٹریلیا کے اندرون میں نئے راستوں اور جگہوں کو ڈھونڈنے اور آباد کرنے کی ضرورت بڑھ گئی۔ اس وقت تک ذرائع نقل و حرکت کے لیے زیادہ تر گھوڑے اور بیل استعمال کیئے جاتے تھے لیکن آسٹریلیا کے وسیع و عریض ریگستانوں اور بنجر اور خشک ریگ زاروں میں سواری کے یہ جانور ناکام ثابت ہوئے۔ چنانچہ ایک متبادل ذریعہ ڈھونڈنے کی کوششیں شروع ہوئیں اور یہ طے پایا کہ آسٹریلیا کے سخت دشوار اور خشک اندرونی حصہ کے لیے اونٹ سب سے بہتر ذریعہ ہیں۔ 1846ء جب پہلی دفعہ ایک اونٹ Horrock کی مہم کے لیے استعمال کیا گیا تو ایک حادثے میں Horrock خود اونٹ کی وجہ سے سخت زخمی ہو گیا۔ چنانچہ فیصلہ یہی کیا گیا کہ اونٹوں کے ساتھ ایسے لوگ بھی بلائے جائیں جو ان اونٹوں کو چلا سکیں ورنہ اونٹ ماہر ساربانوں کے بغیر منگوانا بے فائدہ ہو گا۔ چنانچہ سب سے پہلے Burke & Wills کی مہم میں شامل ہونے کے لیے 9 جون 1860ء کو 24 اونٹ اور 3 ساربان پورٹ میلبورن پہنچے۔ یہ آسٹریلیا کے اندرون کی طرف پہلی باقاعدہ مہم تھی۔ اس میں بھی کئی لوگ اور جانور مارے گئے لیکن ایک بات ثابت ہو گئی کہ آسٹریلیا کے اندرون میں بنجر اور خشک راستوں کے لیے اونٹ ہی مفید جانور ہیں۔

چنانچہ اسی بات کے پیش نظر اس وقت کے ایک سرمایہ دار تھامس ایلڈر سمتھ (Thomas Elder Smith) اور اسکے ساتھی سموئیل سٹکی (Samuel Stuckey) نے برصغیر سے اونٹ اور ساربان منگوانے کا فیصلہ کیا جس کے لیے Samuel Stuckey 1862ء میں بمبئی گیا اور وہاں سندھ کے کمشنر کی وساطت سے خان بہادر مراد خان صاحب، جو ایک معزز رئیس تھے، سے اس کی ملاقات ہوئی۔ Samuel Stuckey خان بہادر مراد خان صاحب کے ساتھ سندھ کے ریگستان بھی گیا اور اونٹ اور ساربانوں کو 3، 3 سال کے Contract پر آسٹریلیا جانے پر رضامند کیا لیکن ان دنوں امریکہ اور برطانیہ کے درمیان جنگ کے خدشہ کے پیش نظر کوئی جہاز مناسب داموں میں نہ مل سکا چنانچہ یہ مہم 3 سال تک معرض التواء رہی اور بالآخر 1865ء میں Samuel Stuckey خان بہادر خان صاحب کی وساطت سے 124 اونٹ اور 31 ساربان لیکر آسٹریلیا پہنچے۔ ان دنوں بادبانی جہاز ہوا کرتے تھے اور تقریباً تین ماہ کا عرصہ کراچی سے آسٹریلیا پہنچنے میں لگتا تھا۔ یہ آغاز تھا اور اسکے بعد آئندہ 5 دہائیوں کے دوران تقریباً 2000 سے 3000 ساربان اور تقریباً 20000 اونٹ برصغیر اور افغانستان وغیرہ سے آسٹریلیا آئے۔ ان ساربانوں میں زیادہ تر افغان تھے اس وقت تک چونکہ ڈیورنڈ لائن (1893) نہیں بنی تھی۔ لہذا بلوچستان اور پشاور وغیرہ بھی افغانستان کا ہی حصہ تھے۔ اس لیے ان ساربانوں کو افغان کہا جانے لگا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ تمام

ساربان صرف افغان، پشتون یا بلوچی ہی نہیں تھے بلکہ کئی پنجابی اور برصغیر کے دوسرے علاقوں سے تعلق رکھنے والے بھی تھے[]۔ حضرت حسن موسیٰ خانؓ نے اپنی کتاب History of Islamism in Australia میں آسٹریلیا میں موجود مسلمانوں کے قبائل اور ان کی قوموں کا بھی ذکر کیا ہے کہ ان کا تعلق کس قوم اور قبیلے سے تھا۔

ان مسلمان افغان ساربانوں نے اندرون آسٹریلیا میں نئے راستے دریافت کیے۔ انہوں نے کئی علاقوں، کانوں اور قصبوں کو ملانے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ 1870ء میں پورے آسٹریلیا میںOverland Telegraph Line کے لیے تار بچھانے (اس Overland Telegraph Line کے ذریعہ آسٹریلیا اور لندن کا رابطہ ممکن ہوا) اور ریلوے لائن بنانے میں ان ابتدائی مسلمان افغان ساربانوں نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔ بعض یورپین بھی ساربان تھے لیکن مسلمان ساربان بہت جفاکش، محنتی اور ماہر تھے۔ ان کے لیے اونٹ صرف سامان ڈھونے کا ایک جانور ہی نہیں تھا بلکہ ایک ایسا جانور تھا جسے قرآن کریم نے Blessed Animal کہا ہے۔ تمام ساربانوں نے اپنے اونٹوں کو نام دے رکھے تھے اور ان کو ان کے نام سے ہی پکارتے تھے[6][5]۔

1880ء کی دہائی میں کئی افغانوں نے اونٹوں اور ساربانوں کو برصغیر سے بلانے کا اپنا کاروبار کھول لیا اور 1890ء تک اس بزنس کو تقریباً سب کا سب ہی افغان چلا رہے تھے۔ 1890ء کی دہائی میں Kalgoorlie اور Coolgardie میں سونے کی دریافت سے اونٹوں کی مانگ بہت بڑھ گئی اور سارے آسٹریلیا میں اونٹوں کے لیے نقل و حرکت کا ایک وسیع نیٹ ورک (Network) بن گیا۔

یہ افغان اپنے اونٹوں پر اون، دھاتیں، پانی اور دیگر سامانِ ضرورت لادے سارا دن صبح سے شام تک چلتے اور اسطرح کئی مہینوں ہزاروں میل چلتے ہوئے آسٹریلیا کے ایک سرے سے دوسرے کنارے تک پہنچے۔ جہاں نماز کا وقت ہوتا، نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے، شام کے وقت جہاں مناسب سمجھتے ڈیرہ لگا لیتے، چائے پیتے، حقے کے کش لگاتے اور اپنے علاقوں کی لوک کہانیاں سناتے اور باتیں کرتے۔

آسٹریلیا کے وسیع ریگستانوں اور دور دراز کے قصبوں اور وادیوں میں بنی چھوٹی سی مساجد جو بعض اوقات گارے، مٹی اور ٹین کی چھتوں سے بنائی گئی تھیں ان مسلمان ساربانوں کی یادگار ہیں۔

یہ ساربان آغاز میں 3 سال کے کنٹریکٹ پر یہاں آئے تھے لیکن اکثر ایسے تھے جو لمبا عرصہ یہاں رہے اور جب اونٹوں کی مانگ ختم ہو گئی یہ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے لیکن کئی ایسے بھی تھے جو یہیں رہ گئے۔ بعض نے یہیں شادیاں کیں اور ان کی

اولادیں اس معاشرے میں ہی گھل مل گئیں لیکن بعض ایسے غریب الوطن بھی تھے جو آسٹریلیا کے جنگلوں اور صحراؤں میں وفات پاگئے۔ آج بھی آسٹریلیا کے پرانے قبرستانوں میں بے نام اور بے نشان قبریں ان ابتدائی مسلمانوں کی یادگار ہیں۔ یہ لوگ اکثر اَن پڑھ اور انگلش زبان سے بالکل نابلد تھے اور اپنے مذہب اور ثقافت کی وجہ سے یورپی مزاج اور تمدن کے ساتھ بالکل بھی گھل مل نہ سکے۔ لہذا Aborigines کی طرح اکثر ان ابتدائی مسلمانوں کو بھی یورپین آبادکاروں کے تعصب اور مذاق کا نشانہ بننا پڑا۔ یہ مسلمان اکثر قصبوں کے گردونواح کی آبادیوں میں شہر یا قصبے کے مرکز سے دور رہتے تھے اس کے نتیجے میں ان علاقوں کو Ghan Towns کہا جانے لگا۔ Ghan درحقیقت Khan کا بگڑا ہوا تلفظ ہے اور آج بھی ایڈیلیڈ سے بروم تک آسٹریلیا کے وسط میں چلنے والی ٹرین کا نام ان افغان مسلمانوں کی یاد کے طور پر The Ghan (Express) ہے اور اسی طرح Willian Goss جو Uluru کو دیکھنے والا پہلا یورپی تھا اس نے Uluru کے پاس ہی ایک کنویں کا نام اپنے راہنما ساربان کے نام پر "کامران کنواں Kamran Well" رکھا۔

آسٹریلیا کے ساحلی اور بڑے شہروں کو اندرون آسٹریلیا کے چھوٹے شہروں اور قصبوں سے ملانے کے لیے افغان ساربانوں نے جو کام کیا وہ تاریخ آسٹریلیا میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ چنانچہ 1902ء میں جب سخت قحط پڑا تو اس وقت کے اٹارنی جنرل کو John Edward کی طرف سے ایک خط ملا جس میں تحریر تھا

John Edwards wrote to the Attorney-General in 1902,

"It is no exaggeration to say that if it had not been for the Afghan and his Camels, Wilcannia, White Cliffs, Tibooburra, Milperinka and other Towns, each centres of considerable population, would have practically ceased to exist."[7]

"یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ اگر افغان اور ان کے اونٹ نہ ہوتے تو Wilcannia، White Cliffs، Tibooburra، Milperink اور کئی دیگر قصبے اور ان کے مکین صفحہ ہستی سے مٹ جاتے۔"

اونٹ ایک وقت میں 200 کلو سے 300 کلو یا بعض اوقات 600 کلو تک وزن اٹھا کر ریگستان میں کئی کئی دن پانی کے بغیر چلتے رہتے۔ افغان ساربانوں کے اندرون آسٹریلیا میں جو اکثریت والے قصبے تھے ان میں Marree، Broken Hill، Oodnadatta، Coolgardie، Bourke وغیرہ شامل تھے بلکہ Marree کو تو Little Afghanistan یا Little

Asia بھی کہا جاتا تھا۔

بعض اوقات مسلمانوں اور دیگر یورپین گروہوں کے درمیان جھگڑوں کے واقعات بھی تاریخ میں ملتے ہیں۔ بالآخر 1901ء میں گورنمنٹ کی Immigration Restriction Act 1901 / White Australian Policy کے بعد ان مسلمانوں کا آسٹریلیا آنا مشکل ہو گیا۔ ان افغان کو بعض اوقات Dictation Test دینا پڑتا تھا۔ جو اَن پڑھ افغانوں کے لیے بہت مشکل تھا۔ بالآخر 1920ء کی دہائی میں ریلوے اور دیگر ذرائع نقل و حمل کی ایجاد اور آسٹریلیا میں ان ذرائع آمد و رفت کی آمد سے اونٹوں کی مانگ کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو گئی۔ گورنمنٹ نے اونٹوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر ان کو مارنے کا فیصلہ کیا لیکن اکثر افغان ساربانوں نے یہ برداشت نہ کیا اور اپنے اونٹوں کو آسٹریلیا کے وسیع و عریض ریگستانوں میں کھلا چھوڑ دیا اور خود اکثر اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے۔ آج بھی آسٹریلیا کے وسط میں پھیلے ہوئے سرخ ریگستان Red Desert میں ہزاروں اونٹ آزادانہ گھومتے ہمیں ان کے مالکوں افغان مسلمانوں کی یاد دلاتے ہیں اور اس ریگستانی فضاؤں میں Hoosh! Hoosh! (یہ الفاظ افغان اپنے اونٹوں کو گھٹنوں کے بل بٹھانے کے لیے بولا کرتے تھے) کے الفاظ غالباً ہمیشہ کے لیے تحلیل ہو کر رہ گئے ہیں۔

## آسٹریلیا میں مسلمانوں کی پہلی مسجد

آسٹریلیا میں مسلمانوں کی پہلی مسجد 1861ء میں Marree کے مقام پر ایک ساربان عبد القادر نے بنائی۔ مسجد ساری دنیا میں مسلمانوں کی وحدت کی آکائی ہے۔ چنانچہ آسٹریلیا کے وسیع و عریض براعظم کے چھوٹے اور بڑے قصبوں میں بھی جہاں جہاں یہ افغان مسلمان کچھ عرصہ کے لیے اکٹھے رہے انہوں نے اپنے لیے مساجد بنالیں۔ چنانچہ Marree ، Broken Hill اور اسی طرح کئی دوسرے قصبوں میں بھی آغاز میں مٹی، گارے اور ٹین کی چھت کی مساجد بنائی گئیں۔ جن میں سے اکثر اب خالی ہیں۔ کبھی کوئی مسلمان سیر کرتے اگر ان قصبوں تک جاتے ہیں تو ضرور ان مساجد میں بھی جاتے، نوافل ادا کرتے اور ان افغان ساربانوں کے لیے دعا کرتے ہیں۔ جن کے ذریعے اسلام اور اسکا تعارف اس دور دراز کے براعظم میں پہنچا۔ آسٹریلیا کے بڑے شہروں میں ان افغان اور دیگر مسلمانوں کے چندوں کے ذریعہ جو مساجد بنیں ان میں سے پہلی مسجد 1888ء میں ایڈیلیڈ Adelaide میں بنائی گئی اور 1903ء میں اس مسجد میں چار میناروں کا بھی اضافہ کیا گیا۔ اس مسجد میں دور دراز علاقوں جیسے Broken Hill اور Kalgoorlie وغیرہ سے بھی مسلمان عید الفطر اور عید الاضحیٰ منانے کے لیے آیا کرتے تھے[8]۔

ایڈیلیڈ کے بعد 1905ء میں پرتھ اور 1908ء میں Brisbane میں Mohammadan Mosqueبنائی گئیں۔ان مساجد کو بنانے والے تو اللہ کو پیارے ہوگئے لیکن اللہ کے ذکر کو بلند کرنے کے لیے جو مساجد ان مسلمانوں نے بنائیں وہ اب بھی قائم ہیں۔

Philip Jonesاپنی کتاب- Australia's Muslim Cameleers Pioneers of the Inland 1860s-1930s کے آغاز میں لکھتا ہے

"1952ء کے موسم گرما کے ایک روز بوسنیا سے ہجرت کر کے آسٹریلیا آنے والے ایک نوجوان اور اسکے چند ساتھیوں نے Adelaide مسجد کے گیٹ کو کھولا تو اس نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔انگور کی بیلوں کے چھدرے سائے میں چھ سات بوڑھے پگڑیاں پہنے بیٹھے تھے۔ان میں سب سے چھوٹے کی عمر 87 برس جبکہ سب سے بڑے کی عمر 117 سال تھی۔وہ ان چند آخری مسلمان ساربانوں میں سے تھے جو اپنے وطنوں کو واپس نہیں جاسکے بلکہ ہمیشہ کے لیے اسی جگہ کے ہو رہے اور آخر کار اس دور دراز کے خطے میں ہی دم توڑ دیا"[9]

افغان مسلمانوں نے آسٹریلیا کے Outback کی تعمیر اور اس کے مختلف حصوں تک رسائی میں جو کردار ادا کیا وہ کئی دہائیوں تک تاریخ اور گورنمنٹ کے کاغذوں میں دفن رہا لیکن چند دہائیوں میں کئی محققین نے آسٹریلیا کی تاریخ کے اس اہم حصے پر کام کیا اور کئی کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں جن میں 1980ء کی دہائی میں لکھی گئی 3 کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں

Tin Mosques & Ghan Town by Christine Stevens

2. The Afghans in Australia by Michael J. Cigler

3. In the tracks of the Camelmen Outback Australia's most exotic Pioneers by Pamela Rajkowski

اسی طرح 2007ء میں ساؤتھ آسٹریلیا میوزیم نے ان افغان مسلمان ساربانوں پر ایک خاص نمائش کا انتظام کیا جسے سارے آسٹریلیا کے مختلف حصوں میں دکھایا گیا اور اس نمائش پر مبنی ایک کتاب

Australian Muslim Cameleers Pioneers of the Inland 1860s-1930s by Philip Jones Anna Kerrary بھی مرتب کی گئی۔

## افغان مسلمانوں کے بعد

20ویں صدی کے آغاز میں White Australia Policy / Immigration Restriction Act 1901 کی وجہ سے مسلمانوں کا آسٹریلیا آنا مشکل ہو گیا۔ اس پالیسی کے مطابق صرف ایسے لوگ یہاں آسکتے تھے جن کا تعلق یا تو انگلینڈ اور آئرلینڈ سے ہو اور یا ان کے عزیز آسٹریلیا میں ہوں تا کہ دیگر ممالک، خصوصاً مشرقی ممالک سے آنے والے لوگ آسٹریلین جو برطانوی یا یوں کہنا چاہیے یورپین معاشرہ تھا اس میں بگاڑ یا عدم توازن پیدا نہ کریں۔ تاہم بعض مسلمان تب بھی آسٹریلیا آنے میں کامیاب ہوئے۔ 1920ء اور 1930ء کی دہائی میں البانین (Albanian) مسلمانوں کو آسٹریلیا آباد ہونے کی اجازت دی گی۔ جن کا مشترکہ یورپین ورثہ (European Heritage) غالباً White Australia Policy سے مطابقت رکھتا تھا۔ البانین مسلمانوں نے اپنی پہلی مسجد 1860ء میں وکٹوریہ کے ایک قصبے Shepperton میں بنائی جبکہ میلبورن میں اپنی پہلی مسجد 1963ء میں بنائی۔

جنگ عظیم دوئم کے بعد آسٹریلیا میں آبادی کے اضافہ اور اقتصادی ترقی کیلیے آسٹریلیا کی امیگریشن پالیسی کو وسعت دینے کے بارے میں غور کیا گیا جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی بڑی تعداد جو کہ بلقان خصوصاً بوسنیا اور ہرزیگونیا (Bosnia-Herzegovina) سے بے گھر ہو کر آنے والوں کی تھی، اُسے آسٹریلیا میں آباد کیا گیا۔

اسکے علاوہ 1967ء سے 1971ء کے دوران تقریباً 10000 ترک، آسٹریلیا اور ترکی کے درمیان معاہدے کے تحت آسٹریلیا آکر آباد ہوئے۔

1970ء کے بعد امیگریشن کے حوالے سے گورنمنٹ آسٹریلیا کے رویے میں ایک نمایاں تبدیلی نظر آتی ہے۔ غیر ملکیوں کو ایک تو نہ بلانے اور پھر دوسرے ان کو اپنے معاشرے میں ضم کرنے کی کوشش کی بجائے حکومت نے Multi Culturism کو فروغ دینا شروع کیا جس کے نتیجے میں اب کئی ممالک کی ثقافتیں، رسوم ورواج اور فیسٹول آسٹریلین معاشرے اور تہذیب کا حصہ بنتے چلے جا رہے ہیں۔

21ویں صدی کے آغاز تک 60 سے زائد ممالک سے تعلق رکھنے والے مسلمان آسٹریلیا میں آباد تھے۔ جن میں اکثریت بوسنیا، ترکی اور لبنان سے آئے ہوئے مسلمانوں کی ہے جبکہ انڈونیشیا، ملائیشیا، ایران، فجی، البانیہ، سوڈان، مصر، فلسطین، عراق، افغانستان، پاکستان اور بنگلہ دیش سے آئے ہوئے مسلمان بھی ایک بڑی تعداد میں آباد ہیں[10]۔

# حوالہ جات

[1].http://www.abs.gov.au/ausstats/abs@.nsf/Lookup/2071.0main+features902
012-2013

[2]. Blainey, Geoffrey. The Tyranny of distance; Sun Books Melbourne.1966 p. 2
http//www.multiculturalaustralia.edu.au/doc/cleland_islam.pdf

[3]. A History of Islam in Australia by Bilal Cleland -
http://www.islam.iinet.net.au/channel/islam_australia.html

[4]. http//en.wikipedia.org/wiki/Islam_in_Australia

[5]. Tin Mosques & Ghantowns, Christine Stevens; Oxford University Press
Australia 1989, Chapter 1 (Background and Immigration)

[6]. http://www.southaustralianhistory.com.au/afghans.htm

[7]. http://uncommonlives.naa.gov.au/muslim-journeys/stories/cameleers-
and-hawkers.aspx

[8]. Tin Mosques & Ghantowns, Christine Stevens; Oxford University Press
Australia 1989, Chapter 6 (Mullah, Mosques and Religious Practices)

[9]. Australian Muslim Cameleers Pioneers of the Inland 1860s-1930s by
Philip Jones Anna Kerrary; P. 9

[10]. http://en.wikipedia.org/wiki/Islam_in_Australia

# آسٹریلیا میں احمدیت کی ابتدائی تاریخ

نوٹ آسٹریلیا میں جماعت احمدیہ کی ابتدائی تاریخ کا بنیادی ماخذ مؤرخِ احمدیت مولانا دوست محمد شاہد صاحب کا وہ مضمون ہے جو الفضل ربوہ 29 ستمبر 1983ء کو شائع ہوا۔ علاوہ ازیں تاریخ احمدیت، ملفوظات، الفضل، ریویو آف ریلیجنز (Review of Religions)، دی مسلم سن رائز (The Muslim Sunrise)، محمد حسن موسیٰ خان صاحب کی کتاب "آسٹریلیا میں اسلام کی تاریخ" اور دیگر کتب اور ویب سائٹس جو آسٹریلین محققین نے آسٹریلیا میں اسلام اور افغان مسلمانوں کے بارے میں لکھی ہیں، اُن سے مدد لی گئی ہے۔ اسی طرح مکرم ڈاکٹر ریاض اکبر صاحب بھی اس موضوع پر تحقیق کر چکے ہیں اور مکرم شکیل احمد منیر صاحب (امیر جماعت احمدیہ آسٹریلیا) نے بھی تاریخ کا کچھ حصہ اکٹھا کیا تھا۔ ان کی تحقیق سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جبکہ ابتدائی احمدیوں کے حالات زندگی اور اولاد وغیرہ کے بارے میں جاننے کے لیے مختلف سٹیٹ گورنمنٹس کے شادی، پیدائش اور وفات کے محکموں کی ویب سائٹس سے معلومات اکٹھی کی گئی ہیں۔

## آسٹریلیا کے پہلے احمدی

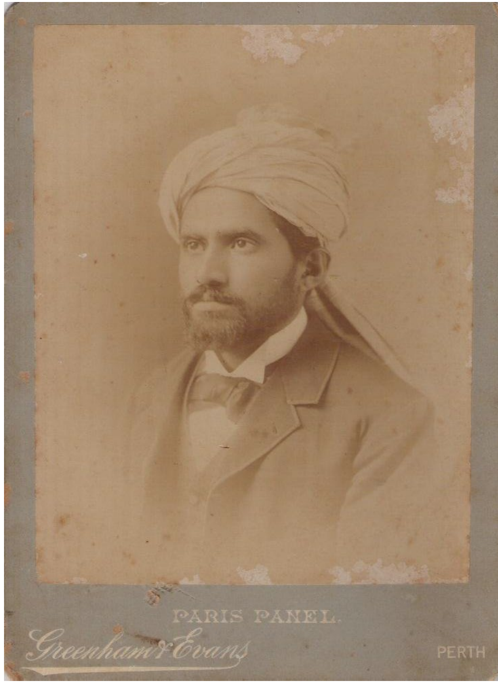
آسٹریلیا میں اسلام کے حوالے سے گذشتہ باب میں افغان ساربانوں کی آسٹریلیا آمد کی وجوہ اور آسٹریلین معاشرے پر اُن کے اثر کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ انہی افغان مسلمانوں میں ایک افغان محمد حسن موسیٰ خان صاحب تھے جو کہ خان بہادر مراد خان صاحب کے بھتیجے تھے۔ خان بہادر مراد خان صاحب وہی افغان رئیس تھے جن کے ذریعے 1865ء میں 31 افغان سار بان اور 124 اونٹ آسٹریلیا پہنچے تھے اور اُسکے بعد بھی ان کی وساطت سے اونٹ اور سار بان آسٹریلیا آتے رہے۔

حضرت محمد موسیٰ خان صاحب وہ خوش نصیب بزرگ اور تاریخی شخصیت تھے جنہیں آسٹریلیا میں سب سے پہلے تحریکِ احمدیت سے وابستہ ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔[1]

## حضرت حسن موسیٰ خانؓ کے ابتدائی حالات

محمد حسن موسیٰ خان صاحب 30 مئی 1863ء کو کراچی سندھ میں پیدا ہوئے[2] آپ کے والد صاحب موسیٰ خان صاحب تھے جبکہ چچا خان بہادر مراد خان صاحب سندھ کے ایک رئیس تھے۔ آپ افغانوں کے مشہور قبیلہ "ترین" کے چشم و چراغ تھے۔ خواجہ نعمت اللہ معروی مؤلف "تاریخ جہانی و مخزنِ افغانی" کی تحقیق کے مطابق ترین قبیلہ میں بہت سے مشائخ اور اولیا گذرے ہیں جن کی سیرت اور کرامات کا تذکرہ بھی مذکورہ بالا کتاب میں موجود ہے جس میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان مرحوم سابق صدر پاکستان بھی ترین قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ عرصہ تک یہ قوم ہزارہ کے علاقہ میں حکمران رہی۔[3]

حسن موسیٰ خان صاحب نے ابتدائی تعلیم کراچی میں حاصل کی اور 1883ء میں آپکو N.J ہائی سکول سے Mansfield سکالرشپ ملا جس کے بعد آپ مزید تعلیم حاصل کرنے کیلیے بمبئی تشریف لے گئے اور 1867ء میں آپ کو بمبئی یونیورسٹی سے Sir Frank Soutar's سکالرشپ بھی ملا۔ اسی طرح St. Xavier's College بمبئی میں بھی کچھ دیر آپ نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی ڈگری مکمل کی۔ 90-1889 کے دوران آپ ہائی سکول شکارپور سندھ میں بطور ڈرائنگ ٹیچر کام کرتے رہے جبکہ 92 - 1891 میں آپ Anglo-Vernacular and Technical School کنڈیارو سندھ میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے[4]۔ جس کے کچھ عرصہ کے بعد آپ آسٹریلیا تشریف لے آئے۔ چنانچہ آسٹریلیا آمد کے بعد آپکے بارے میں سب سے پہلا حوالہ Tin Mosque and Ghantowns میں ملتا ہے کہ آپ اونٹوں کے ایک افغان تاجر، راز محمد کے سیکرٹری کے طور پر کام کرتے تھے[5] چنانچہ اسکے پیش نظر آپ کی آسٹریلیا آمد کا سن 1893ء یا 1894ء بنتا ہے۔ حسن موسیٰ خان صاحب انتہائی پڑھے لکھے افغان تھے جو پانچ زبانوں پشتو، فارسی، سندھی، اردو اور انگلش کے ماہر اور کسی حد تک عربی بھی جانتے تھے۔ آسٹریلین لٹریچر میں ابتدائی مسلمان افغانوں کے بارے میں جو بھی کتابیں یا تحقیقات شائع ہوئی ہیں ان تمام کتابوں میں بلا مبالغہ اور بلا امتیاز آپ کو انتہائی پڑھے لکھے افغان کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ Tin Mosques and Ghantowns کی مصنفہ Christine Stevens آپ کو Well Educated[6] کے نام سے یاد کرتی ہے۔ جبکہ James Jupp جس نے Encyclopedia of Regligion in Australia مرتب کی ہے وہ آپ کو Highly Educated Indian لکھتا ہے[7]۔




حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؒ

چنانچہ یہ خیال کرنا کہ محمد حسن موسیٰ خان صاحب بھی بطور افغان ساربان آسٹریلیا تشریف لائے تھے بعید از حقیقت معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں آسٹریلیا میں سونے کی دریافت کے بعد روزگار اور ترقی کے کئی مواقع پیدا ہوئے اور 1880 اور 1890 کی دہائی میں اونٹوں کی مانگ اور استعمال اپنے عروج پر تھی تو غالباً آسٹریلیا سے ہی کسی افغان دوست کے مشورے یا درخواست پر آپ آسٹریلیا تشریف

لائے ہونگے۔ کیونکہ سرکاری اداروں اور دیگر حکومتی سطحوں پر اس وقت افغان مسلمانوں کی احسن نمائندگی کرنے والا کوئی خاص شخص نظر نہیں آتا چنانچہ کسی پڑھے لکھے مسلمان کی کمی یہاں شدت سے محسوس کی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں حسن موسیٰ خان صاحب کی آسٹریلیا آمد کے فوراً بعد ہی جن مصروفیات کا ذکر ہمیں تاریخ میں ملتا ہے وہ افغان مسلمانوں کی مختلف حکومتی سطحوں پر نمائندگی کرنا، ان کے مسائل اور ان کے حقوق کے بارے میں آواز اٹھانا شامل ہے۔ چنانچہ Philip Jones اور Anna Jones آپ کے بارے میں لکھتے ہیں

"Musa Khan was outspoken about injustices towards his countrymen and wrote petetions, Newspapers, articles and letters informing the Australian public about Islam and Cameleer's contribution to Australia's outback economy" [8]

" حسن موسیٰ خان اپنے ہم وطنوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے لیے کھل کر بولنے والے تھے۔ اسلام اور اسی طرح آسٹریلیا کے بے آباد اور ویران علاقوں کی معیشت میں ساربانوں کے کردار سے آسٹریلوی عوام کو آگاہ کرنے کے لیے انہوں نے باقاعدہ درخواستیں، اخبارات میں مضامین اور خطوط لکھے "

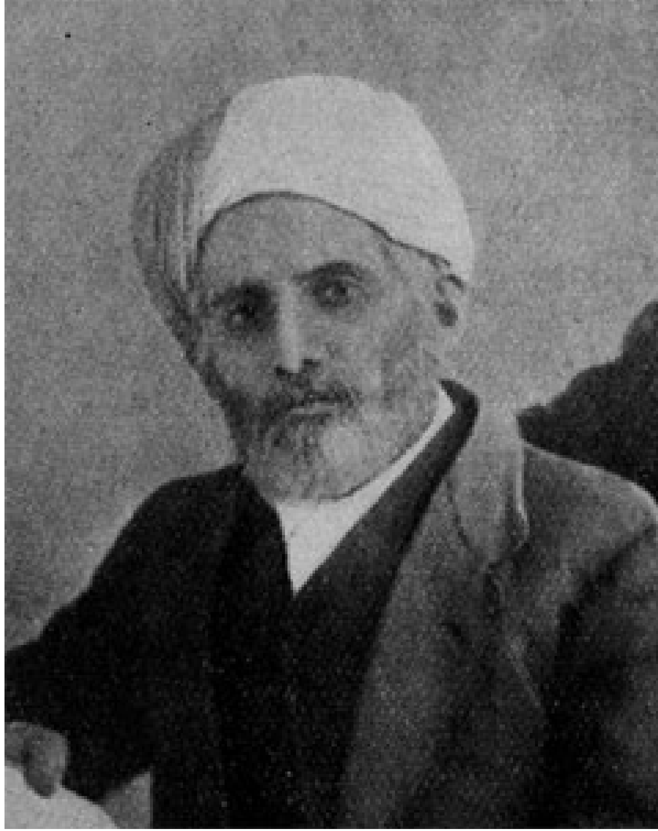
جبکہ اسی بارے میں Chistine Stevens لکھتی ہے

"He (Musa Khan) became spokeman for the WA Afghans, indeed at times for all the Afghans in Australia. He fought the injustices dispensed to Afghans; the taxing of camels, the lack of pensions for the aged and racism in general" [9]

"وہ (موسیٰ خانؓ) ویسٹرن آسٹریلیا میں بلکہ بلاشبہ بسا اوقات آسٹریلیا کے تمام افغانوں کے ترجمان بن گئے۔ وہ افغانوں کے خلاف روا رکھی گئی ناانصافیوں، اونٹوں پر ٹیکس، عمر رسیدہ افغانوں کے لیے پنشن کی کمیابی اور عمومی نسلی تعصب کے خلاف لڑتے رہے "

اسی طرح حسن موسیٰ خان صاحب کو مختلف شاہی تقریبات میں افغان ساربانوں کے نمائندے کے طور پر شامل ہونے کا موقع ملا۔ چنانچہ مارچ 1896ء میں Coolgardie-WA میں سر جیرالڈ سمتھ (Sir Gerald Smith) کو پیش کی جانے والی

قرارداد میں بھی آپ شامل تھے۔ اسی طرح 1901ء میں جب آسٹریلیا ایک وفاق (فیڈریشن) بنا تو اسوقت آپ ہی نے تمام افغانوں کی طرف سے Her Highness the Duchess of York & Cornwall کو بطور اونٹ تحفہ پیش کیا۔ جبکہ 12 دسمبر 1911ء کو دہلی میں جب کنگ ایڈورڈ ہفتم کی تاج پوشی کی رسم کی گئی ،وہاں بھی آپ نے آسٹریلیا میں موجود افغان مسلمانوں کی نمائندگی کی اور اسی طرح 1927ء میں جب Duches of York & Cornwall کا بیٹا آسٹریلیا کے دورے پر آیا تب بھی آپ ہی نے مسلمانوں کی نمائندگی کی۔ آپ مسلمانوں کی تنظیم اور ترقی و بہبود کے لیے کمال جانفشانی کے ساتھ سرگرمِ عمل رہتے تھے۔ آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی جو شاندار خدمت کی وہ تاریخِ اسلام آسٹریلیا میں ہمیشہ سنہری حروف میں لکھی جائے گی۔ پس آپ کی خدمات کا اعتراف نہ صرف غیر مسلم محققین نے کیا ہے بلکہ مسلمان محقق بھی اس امر کو ماننے پر مجبور ہیں۔ چنانچہ Bilal Cleelan (بلال کلی لینڈ) جنہوں نے آسٹریلیا میں اسلام کی تاریخ مرتب کی ہے اپنے مضمون میں حضرت موسیٰ خان صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں



حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ

Over the Western Australia, Mohammad Hassan Musa Khan was still in action, defending Islam " from attack."

آگے چل کر لکھتے ہیں

"During the time Musa Khan himself had moved from mainstream Islam. In a letter to General Pau and the French Mission visiting Adelaide in 1918 he presents himself

as spokesperson for the Muslim community and seperately identifies himself as representative of the Ahmadiyya Community. There is no evidence that the significance of this sectarian development was understood at the times by other Muslims in Australia"[10]

حضرت حسن موسیٰ خان صاحب آغاز میں Coolgardie میں رہائش پذیر رہے اور اُسی زمانے میں 1898ء میں آپ نے صوفیہ بلٹز (Sophia Blitz) صاحبہ سے شادی کی۔ اسکے علاوہ بعد میں Broken Hill میں بھی آپ کے قیام کا پتہ چلتا ہے لیکن غالباً 1902ء یا 1903ء سے آپ مستقلاً Perth میں مقیم ہو گئے۔

1899ء میں ویسٹرن آسٹریلیا کے کورٹ میں اونٹوں کی درآمد (Importation) کا پیچیدہ معاملہ پیش ہوا تو اس کیس میں بھی آپ مسلمانوں کی طرف سے منصف (Arbitrator) مقرر کیے گئے[11]۔

1903 میں بروکن ہل کے ایک متعصب اخبار Barier Truth میں R.S.Ross نے The Afghan Menac کے نام سے ایک آرٹیکل لکھا جس میں افغانوں اور ان کے طرزِ معاشرت کے بارے میں بے ہودہ گوئی کی گئی نیز یہ کہ افغان اس (آسٹریلوی) معاشرے کا کبھی حصہ نہیں بن سکتے۔ اس موقع پر بھی حضرت حسن موسیٰ خان صاحب نے افغان مسلمانوں کا دفاع کیا اور لکھا کہ R.S.Ross نہ تو اِسلام اور نہ ہی افغانوں اور ان کی تہذیب و اطوار سے واقف ہے بلکہ تعصب میں اندھا ہو کر من گھڑت باتیں لکھتا جاتا ہے[12]۔

1904 میں حضرت موسیٰ خان صاحب نے تمام افغان مسلمانوں کی طرف سے ویسٹرن آسٹریلیا کی قانون ساز اسمبلی (WA Legislation Assembly) کو ایک درخواست لکھی جس میں 1902 کے روڈ ایکٹ کے تحت لگائی جانے والی رجسٹریشن فیس، لائسنس فیس کے بارے میں احتجاج کیا کہ وہ نامناسب ہیں۔ یہ درخواست اس لیے بھی اہم تھی کہ اُس وقت آسٹریلیا میں موجود عموماً تمام افغان ساربان جن کی تعداد تقریباً 2500 تھی، نے اُس پر سائن کیے اور بعد ازاں اس دور کے مسلمانوں پر تحقیق کرنے والے کم و بیش تمام محققین نے اس درخواست کا اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ ان ترامیم نے جن کے خلاف یہ درخواست لکھی گئی تھی، افغان ساربانوں کے کاروبار پر بہت بُرا اثر ڈالا جو بالآخر ان کے کاروباروں کے اختتام پر منتج ہوئیں۔

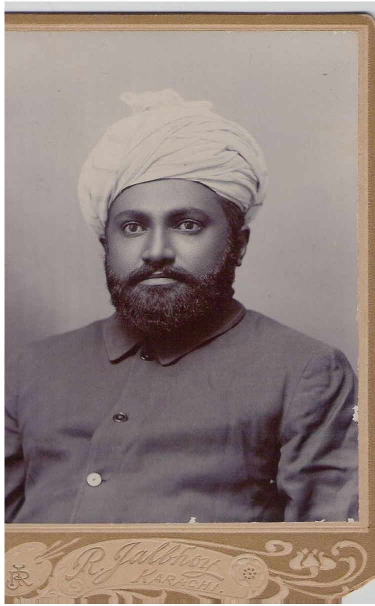
## حضرت موسیٰ خان صاحبؓ کا قبولِ احمدیت

1903 کا سال وہ بابرکت سال ہے جب سرزمینِ آسٹریلیا نے مسیح موعودؑ و مہدی موعودؑ کے نامۂ مبارک سے برکت پائی۔ یہ وہ سال ہے جب حضرت مسیح موعودؑ کا پیغام اس دور دراز خطہ ءزمین میں پہنچا اور ایک سعید روح نے اس کو قبول کیا اور تاعمر کے لیے مسیحؑ محمدی کے غلاموں میں شامل ہو گیا اور بالآخر اسی سرزمین میں ہمیشہ کے لیے مدفون ہو گیا۔ اس نیک وجود کا نام محمد حسن موسیٰ خانؓ تھا۔

حضرت حسن موسیٰ خان صاحب کے دو اور بھائی تھے۔ حضرت محمد حسین موسیٰ خانؓ صاحب اور حضرت محمد ابراہیم خان صاحبؓ۔ دونوں ہی حضرت مسیح موعودؑ کے بے مثال فدائی اور شیدائی تھے۔ چنانچہ اُن کی تحریک پر ہی حضرت حسن موسیٰ خان صاحبؓ نے ستمبر 1903 میں جبکہ آپ آسٹریلیا میں مقیم تھے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمتِ اقدس میں بیعت کا خط لکھا جس کی منظوری کی اطلاع دیتے ہوئے حضرت مولانا عبدالکریمؓ سیالکوٹی نے آپ کو حسبِ ذیل مفصل مکتوب لکھا




حضرت ابراہیم موسیٰ خان صاحبؓ




حضرت حسین موسیٰ خان صاحبؓ

**"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ و نصلی**

**مخدومی مکرم اخویم سلمہ اللہ تعالیٰ**

**السلام و علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ**

**آپ کا خط ستمبر کا پہنچا اور سابق ازیں آپ کے بھائی صاحب محمد ابراہیم خان صاحب سے آپ کا ذکر خیر اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے۔ حضرت اقدس آپ کے اخلاص اور محبت اور خداداد فہم رسا سے بہت خوش ہوئے ہیں اور آپ کے حق میں دعا فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ آپ کو دینی اور دنیاوی برکت دے اور آپ کی ہدایت اور تبلیغ سے بہتوں کو فائدہ دے اور ایک جماعت کے**

**قلوب کو اس سلسلہ کی طرف متوجہ کر دے آمین۔**

**درخواست بیعت آپ کی حضرت اقدسؑ نے قبول فرمائی ہے۔ آپ کو چاہیے کہ نمازوں کو سنوار کر ادا کریں۔ استغفار بہت پڑھتے رہیں۔ تقویٰ، طہارت، اللہ، رسولؐ کی سچی فرمانبرداری میں کوشش کریں۔ نمازوں میں اور رات کو تہجد میں دعائیں کریں اور یقیناً یاد رکھیں کہ دونوں جہان کے خزانے صرف خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ جس کو چاہے وہ دے، اسی سے مانگیں، اُسی سے امید رکھیں، اُسی سے ڈریں، اپنا کامل توکل اور بھروسہ اسی پر رکھیں۔ حضرت اقدس کی تصانیف کا مطالعہ کرتے رہیں اور ہم کو اس بات سے بہت خوشی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسے دور دراز اور اجنبی ملک میں اس سلسلہ کی سچائی اور صداقت کو کس طرح آپ کے دل پر کھول دیا ہے یہ محض اس کا فضل ہے۔ چونکہ بیعت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس سلسلہ دینی حسبِ استطاعت، نہ اس قدر کہ اکراہ ہو، مالی امداد دے۔ اس لیے آپ کو لکھا جاتا ہے کہ حسبِ توفیق چندہ ماہواری سے لنگر و مدرسے میں امداد دیں۔**

والسلام مع الاکرام

خط کی رسید سے مطلع فرمائیں۔ 13 اکتوبر 1903 قادیان

آپ کے بھائی صاحب کو کچھ کتابیں ارسال کی گئی ہیں کہ وہ آپ کو ارسال کر دیں۔

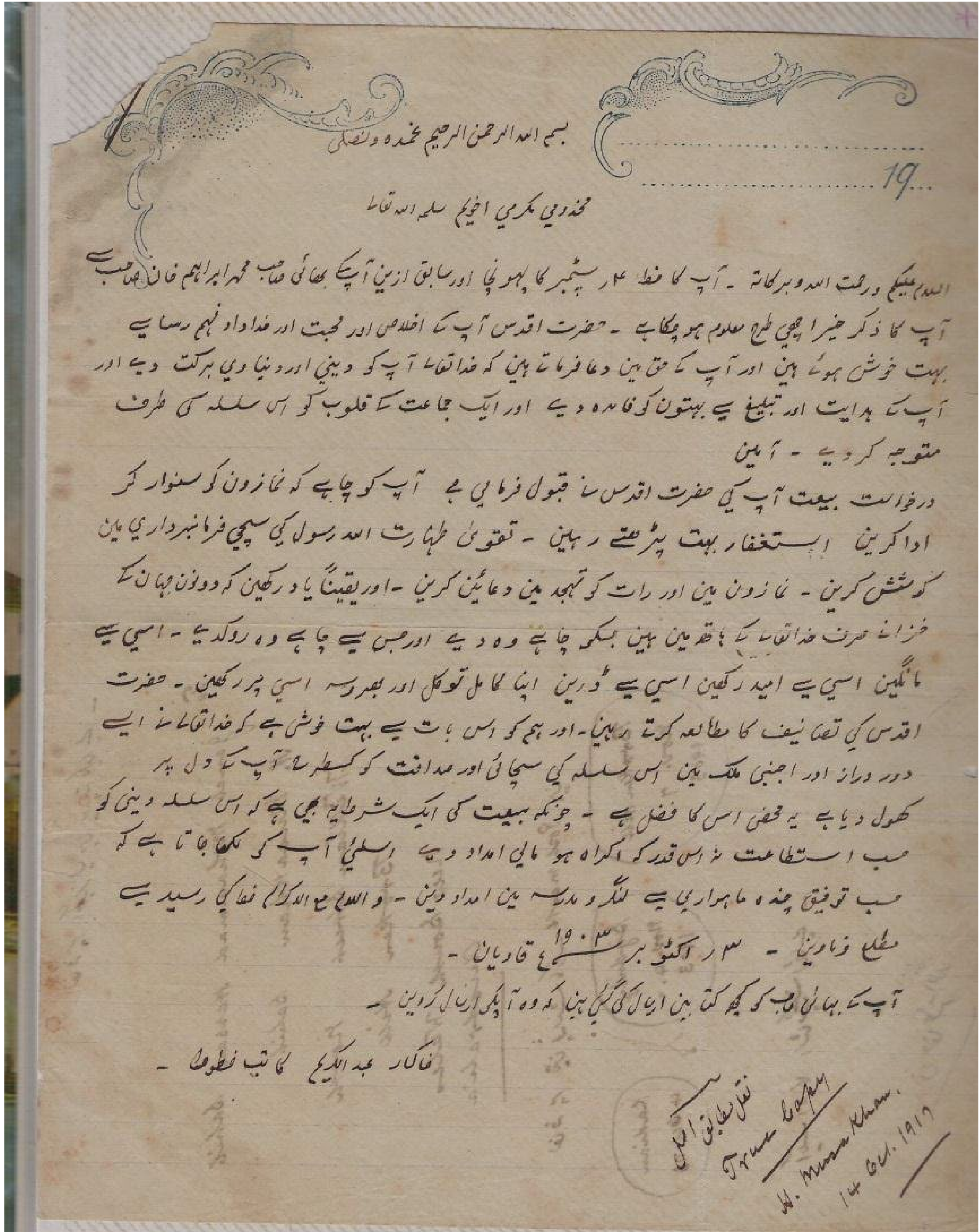
خاکسار

عبدالکریم کاتب خطوط "[13]

حضرت حسن موسیٰ خان صاحبؓ کو حضرت مسیح موعودؑ سے غیر معمولی عشق تھا اور آسٹریلیا میں پہلے احمدی ہونے کے ناطے اپنی اس سعادت پر اللہ تعالیٰ کے شکر گذار بھی رہتے تھے اور حضرت مسیح موعودؑ کے الفاظ کو جو انہوں نے اپنے خط میں لکھوائے بڑی محبت سے یاد رکھتے تھے۔ چنانچہ اس ڈر سے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے موصول ہونے والا خط ضائع نہ ہو جائے 1917 میں اصل خط کی اپنے ہاتھ سے کاپی تیار کر کے رکھ لی اور "نقل بمطابق اصل" لکھ کر اس کو محفوظ کر لیا۔

چنانچہ اپنی بیعت کی اس سعادتِ عظیم کا ذکر کرتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

**" آج 3 اکتوبر وہ مبارک دن ہے جبکہ حضرت مسیح موعودؑ نے پہلا خط آسٹریلیا کو روانہ فرمایا۔ سال 1903 اور عاجز کی درخواست بیعت منظور فرمائی۔ الحمد اللہ ثمہ الحمد اللہ "** [14]



بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی

19...

مخدومی مکرمی اخویم سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ ۔ آپ کا خط ۲۴ ستمبر کا پہونچا اور سابق ازیں آپکے بھائی صاحب محمد ابراہیم خان صاحب سے آپ کا ذکر خیر اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے ۔ حضرت اقدس آپ کے اخلاص اور محبت اور خداداد فہم رسا سے بہت خوش ہوئے ہیں اور آپ کے حق میں دعا فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ آپ کو دینی اور دنیاوی برکت دے اور آپ کے ہدایت اور تبلیغ سے بہتوں کو فائدہ دے اور ایک جماعت کے قلوب کو اس سلسلہ کی طرف متوجہ کر دے ۔ آمین

درخواست بیعت آپ کی حضرت اقدس نے قبول فرمائی ہے آپ کو چاہیے کہ نمازوں کو سنوار کر ادا کریں استغفار بہت پڑھتے رہیں ۔ تقویٰ طہارت اللہ رسول کی سچی فرمانبرداری میں کوشش کریں ۔ نمازوں میں اور رات کو تہجد میں دعائیں کریں ۔ اور یقیناً یاد رکھیں کہ دونوں جہان کے خزانے صرف خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں جسکو چاہے وہ دے اور جس سے چاہے وہ روک دے ۔ اسی سے مانگیں اسی سے امید رکھیں اسی سے ڈریں اپنا کامل توکل اور بھروسہ اسی پر رکھیں ۔ حضرت اقدس کی تصانیف کا مطالعہ کرتے رہیں ۔ اور ہم کو اس بات سے بہت خوشی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسے دور دراز اور اجنبی ملک میں اس سلسلہ کی سچائی اور صداقت کو کسطرح سے آپ کے دل پر کھول دیا ہے یہ محض اس کا فضل ہے ۔ چونکہ بیعت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس سلسلہ دینی کو حسب استطاعت نہ اس قدر کہ اکراہ ہو مالی امداد دے اسلئے آپ کو لکھا جاتا ہے کہ حسب توفیق چندہ ماہواری سے لنگر و مدرسہ میں امداد دیں ۔ والسلام مع الاکرام خط کی رسید سے مطلع فرماویں ۔ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۰۳ء قادیان ۔

آپ کے بھائی صاحب کو کچھ کتابیں ارسال کی گئی ہیں کہ وہ آپکو ارسال کر دیں ۔

خاکسار عبدالکریم کاتب خطوط ۔

نقل مطابق اصل
True copy
M. Musa Khan.
14 Oct. 1919

حضرت مسیح موعودؑ کے خط کی نقل کا ایک عکس جو حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ نے خود لکھا

حضرت حسن موسیٰ خان صاحبؓ، حضرت مسیح موعودؑ کے ارشاد کے مطابق حسبِ توفیق چندہ قادیان بھجوایا کرتے تھے۔ چنانچہ اس دور کی یادگار ایک خط کا جوابی لفافہ جماعت کے ریکارڈ میں موجود ہے جس پر حضرت مسیح موعودؑ نے رقم وصول کرنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے دستخط کیے۔

حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفتہ المسیح الخامس ایدہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے دورہ آسٹریلیا2006 کے موقع پر اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ14 مارچ2006 میں حضرت حسن موسیٰ خان صاحبؓ کا ذکر فرمایا اور ان کی بیعت اور حضرت مسیح موعود نے اس خط میں جو نصائح فرمائیں ان کا حوالہ دیتے ہوئے حضور ایدہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا

**"بعض کو شاید علم نہ ہو کہ آسٹریلیا میں احمدیت حضرت مسیح موعودؑ کے زمانے میں 1903 میں آئی ہے اور حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کو قبولِ احمدیت کی توفیق بھی ملی گویا اس ملک میں احمدیت کا پودا لگے سو سال سے زائد کا عرصہ گذر چکا ہے۔ ان بزرگ کو جنہوں نے اس وقت احمدیت قبول کی حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے جو بیعت کی قبولیت کا خط ملا اس میں جو ہدایات درج تھیں وہ آج بھی ہر احمدی کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ اور اگر آپ ان ہدایات کو پلے باندھ لیں تو اس ملک میں رہتے ہوئے جہاں آپ اپنا تعلق خدا سے بھی جوڑ رہے ہوں گے ایسا تعلق جو اللہ تعالیٰ کے پیار کو جذب کرنے والا ہوتا ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خود اپنے بندے کا ہر لحاظ سے خیال رکھنے والا ہوتا ہے۔ بندہ سوتا ہے تو خدا اس کی خاطر جاگتا ہے، بندہ دشمن میں گھرتا ہے تو خدا اس کی حفاظت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق اپنے بندے کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے اور ایسی ایسی جگہوں سے ایسے ذرائع سے اس کی ضروریات پوری فرماتا ہے کہ بندے کو اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اپنی طاقت کی جو تصویر اللہ تعالیٰ نے ہمیں دکھائی ہے، ہمیں بتائی ہے، اپنے وجود کا جو فہم اور ادراک ہمیں دیا ہے وہ صرف ایسی چیز نہیں کہ صرف قرآن کریم میں ہی درج ہے جس کا کسی کو تجربہ نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کے خالص بندے اس بات کا تجربہ رکھتے ہیں اور آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ میں ہمیں اس کے کئی نمونے نظر آتے ہیں اور پھر اس دنیا کے انعاموں کے ساتھ ایسے بندے جو خدا کی طرف جھکنے والے ہوں ان کی اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق عاقبت بھی سنور جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کو اس دنیا سے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ دائمی جنتوں کی بشارت بھی دیتا ہے۔**

**یہ بزرگ جن کا میں نے ذکر کیا ہے یعنی حضرت صوفی موسیٰ خان صاحب ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے الہاماً نیک انجام کی خبر دی تھی۔ تو یقیناً آپ کو حضرت مسیح موعودؑ کے تمام دعاوی پر مکمل ایمان اور اپنی عملی حالت کو ان نصائح کے مطابق ڈھالنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری دی ہوگی۔ ان نصائح کے مطابق جو حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کو لکھوائی تھیں۔ پس یہ اللہ تعالیٰ پر**

**کامل اور مکمل ایمان اور آنحضرت ﷺ کے غلام صادق کی تعلیم پر صدق دل سے چلنا یقیناً اللہ تعالیٰ کے دنیا و آخرت کے انعاموں کا وارث بناتا ہے۔ آج بھی اگر ہم ان انعاموں کے وارث بننا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حضور جھکتے ہوئے اپنے اندر پاک تبدیلیاں پیدا کرنی ہونگی تا کہ ہر وقت ہم اس کے فضلوں کے وارث ٹھہر سکیں۔** [15]

## اکتوبر 1903 - تاریخ احمدیت آسٹریلیا کا ایک اور اہم واقعہ

## حضرت مسیح موعودؑ کے ایک آسٹریلین صحابی مسٹر چارلس فرانسس سیورائیٹ (محمد عبد الحق صاحبؓ) Mr. C. F. Sievwright (Muahammad Abdul Haq) کی قادیان آمد

حضرت مسیح موعودؑ اپنی کتاب تجلیاتِ الٰہیہ میں تحریر فرماتے ہیں

**"خدا نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا"**

احمدیت کے آغاز ہی سے حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہم بار بار پورا ہوتا ہوا دیکھتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے کروڑوں لوگوں کے دلوں میں اپنے پیارے مسیح کی محبت ڈالی۔ چنانچہ مسٹر چارلس فرانسس سیورائیٹ (محمد عبد الحق صاحبؓ)، Mr. C. F. Sievwright (Muahammad Abdul Haq) کی قادیان آمد، حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ ملاقات اور بعد ازاں قبولِ احمدیت بھی اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کی سچائی کے اظہار کا ایک نشان ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے قادیان سے ہزاروں میل دور رہنے والے حق کے ایک متلاشی کے لیے حضرت مسیح موعودؑ سے ملاقات کے اسباب مہیا کیے اور پھر اُن کی محبت اس کے دل میں اس طرح پر پیدا کی کہ **جب تک وہ شخص زندہ رہا، حضرت مسیح موعودؑ کا اسیر محبت رہا۔** وہ شخص ایک آسٹریلوی نو مسلم مسٹر سی۔ ایف سیورایئٹ (محمد عبد الحق صاحبؓ) تھے، جن کی قادیان آمد اور حضرت مسیح موعودؑ سے ملاقات کا حال ملفوظات جلد 3 اور تاریخِ احمدیت جلد 2 میں بیان کیا گیا ہے۔

1903ء کا سال جماعت احمدیہ آسٹریلیا کی تاریخ میں جہاں اس لیے اہمیت کا حامل ہے کہ اس سال مسیح الزماںؑ اور مہدی موعودؑ کا پیغام پہلی دفعہ آسٹریلیا پہنچا اور ایک سعید روح (حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ) کو اُسے قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، وہاں اسی سال حق کے ایک متلاشی کو جو آسٹریلیا کا باشندہ تھا حضرت مسیح موعودؑ سے قادیان میں ملاقات کرنے کا موقع بھی ملا۔ اس آسٹریلوی کا نام چارلس فرانسس سیورائیٹ (Mr. Charles Francis Sievwright) تھا جنہوں نے 1896ء میں اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا نام محمد عبد الحق رکھ لیا تھا اور آپ 1906ء میں سلسلہ احمدیہ میں داخل

ہوئے[16]۔

مسٹر سی۔ایف سیورائیٹ (Mr.C.F.Sievwright) 1862ء میں آسٹریلیا کے دوسرے بڑے شہر میلبورن (Melbourne) میں ایک کیتھولک (Catholic) گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا مسٹر سی۔ڈبلیو۔سیورائیٹ (Mr.C.W.Sievwright) سکاٹ لینڈ سے بطور Assistant Aboriginal Protector (آسٹریلیا کی قدیم اور مقامی آبادی کے محافظ کے طور پر) بھجوائے گئے تھے۔ جہاں وہ اپنے سات بچوں کے ساتھ میلبورن کے نواحی علاقے Geelong کے قریب ایک خیمے میں رہتے تھے۔ اور اس طرح جلد ہی انہوں نے مقامی آبادی کا اعتماد حاصل کر لیا۔ ان کے بارے میں حال ہی میں ایک تحقیقی کتاب " The Hatred Protector" کے نام سے شائع ہوئی ہے جس میں ان کی اولاد کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ ان کے پوتے مسٹر سی۔ایف۔سیورائیٹ (Mr.C.F.Sievwright) کے بارے میں لکھا ہے

" ایک اور پوتے، چارلس فرانسس سیورائیٹ نے 1896 میں میلبورن میں اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا نام عبدالحق رکھ لیا اور کئی سال برٹش اینڈ انڈین ایمپائر لیگ (British and Indian Empire League) کے نمائندے کے طور پر انڈیا سفر کیا۔ اس نے North Queensland میں بھی کچھ وقت گذارا اور اپنے پیچھے ایک غیر طبع ناول چھوڑ گئے" [17](The Hated Protector P.453)



**C. F. Sievwright**

**محمد عبدالحق صاحبؓ کی 1888 میں لی گئی ایک تصویر**

برٹش اینڈ انڈین ایمپائر لیگ کے نمائندے کے طور پر 1903 کا ہی وہ سفر تھا جس دوران مسٹر چارلس فرانسس سیورائیٹ (محمد عبدالحق صاحبؓ) کی حضرت مسیح موعودؑ سے ملاقات ہوئی۔ آپ مدراس میں ہونے والی کانگرس کی کانفرنس میں شمولیت کے لیے ہندوستان تشریف لے گئے تھے۔ اس کانفرنس میں آپ کی طرف سے پیش کردہ پیٹیشن (Petition) جو کہ 1901 کی White Australia Policy کی وجہ سے آسٹریلیا میں موجود ہندوستانیوں پر بے جا پابندیوں کے بارے میں تھی، کا ذکر ایک اور کتاب "How India Wrought for Freedom" میں بھی ملتا ہے[18]۔

اس کانفرنس میں شامل ہونے کے علاوہ آپ کے سفر ہندوستان کا ایک اور مقصد اسلامی علوم سے واقفیت بھی تھا۔ تاریخِ احمدیت

میں درج ہے کہ آپ آسٹریلیا سے لندن گئے اور سفیر روم سے اسلامی علوم سے واقفیت حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ سفیر روم نے انہیں مصر کے دارالحکومت قاہرہ جانے کا مشورہ دیا مگر انگلستان کے ایک نو مسلم لارڈ سٹینلے نے ان کو صلاح دی کہ ان کا مدعا بمبئی میں حاصل ہو گا۔ ہندوستان کے سفر کے دوران رؤیا میں انہیں بتایا گیا کہ تمہارا گوہر مقصود ان پہاڑوں کی طرف ملے گا جو کہ ہندوستان میں کابل اور کشمیر کی طرف ہیں۔

اس سفر کے دوران آپ نے لاہور میں ایک لیکچر "Are the Indian People British Subjects" کے عنوان سے دیا۔ آپ اس جستجو میں تھے کہ کسی ایسے راستباز مسلمان سے ملاقات ہو جو مجسم اسلام ہو اور اسلام کے تمام خدوخال کا نقشہ اس میں موجود ہو تا اس کی حقیقی صحبت کی برکت سے خود بھی برگزیدہ بن جائیں۔ چنانچہ اس جستجو میں لاہور میں آپ کی ملاقات میاں معراج الدین عمر صاحب اور طبیب نور محمد احمدی صاحب سے ہوئی جنہوں نے آپ کو قادیان چلنے کی تحریک کی جس پر آپ 22 اکتوبر 1903 کو قادیان پہنچے۔ جہاں آپ کا پُرتپاک استقبال کیا گیا۔ آپ دو دن قادیان میں رہے جہاں آپ حضرت طبیب مولوی نورالدینؓ کے درسِ قرآن کے معارف سے محظوظ ہوئے اور حضرت مسیح موعودؑ سے بھی ملاقات کی اور بعض سوالات پوچھے جن کی تفصیل ملفوظات جلد 3 صفحہ 445 پر درج ہے[19]۔

حضرت مسیح موعودؑ اور محمد عبدالحق صاحبؓ کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ خلاصتہً درج ذیل ہے

روحانی تعلق سے متعلق محمد عبدالحق صاحبؓ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا

**ہمارے مذہب اسلام کے طریق کے موافق روحانی طریق صرف دعا اور توجہ ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے وقت چاہیے کیونکہ جب تک ایک دوسرے کے تعلقات گاڑھے نہ ہوں اور دلی محبت کا رشتہ قائم نہ ہو جائے تب تک اس کا اثر محسوس نہیں ہوتا۔ ہدایت کا طریق یہی دعا اور توجہ ہے۔ ظاہری قیل و قال اور لفظوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔**

محمد عبدالحق صاحبؓ نے اظہار کیا کہ میری فطرت اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ روحانی اتحاد کو پسند کرتی ہے۔ میں اس کا پیاسا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس سے بھر جاؤں جس وقت سے میں قادیان میں داخل ہوا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ میرا دل تسلی پا گیا ہے اور اب تک جس جس سے میری ملاقات ہوئی ہے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا اس سے دیرینہ تعارف ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا **خدا تعالیٰ کا قانون قدرت ہے کہ ہر ایک روح ایک قالب کو چاہتی ہے۔ جب وہ قالب تیار ہوتا ہے تو اس میں نفخِ روح خود بخود ہو جاتا ہے۔ آپ کے لیے یہ ضروری امر ہے کہ جو حقیقت اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھولی ہے اس سے آہستہ آہستہ آگاہی پالیویں۔۔۔**

**دیکھو ایک زمانہ وہ تھا کہ آنحضرتؐ تن تنہا تھے مگر لوگ حقیقی تقویٰ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے حالانکہ اب اس وقت لاکھوں مولوی اور واعظ موجود ہیں لیکن چونکہ دیانتدار نہیں، وہ روحانیت نہیں۔ اس لیے وہ اثر اندازی بھی اُن کے اندر نہیں۔ انسان کے اندر جو زہریلا مواد ہوتا ہے وہ ظاہری قیل و قال سے دور نہیں ہوتا۔ اس کے لیے صحبتِ صالحین اور ان کی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے فیض یافتہ ہونے کے لیے ان کے ہمرنگ ہونا اور جو عقائد صحیحہ خدا نے ان کو سمجھائے ہیں اُن کو سمجھ لینا بہت ضروری ہے۔**

مزید فرمایا **یاد رکھو کہ سنت اللہ یوں ہے کہ دو باتیں اگر ہوں تو انسان حصولِ فیض میں کامیاب ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ وقت خرچ کر کے صحبت میں رہے اور اس کے کلام کو سنتا رہے اور اثنائے تقریر یا تحریر میں اگر کوئی شبہ یا دغدغہ پیدا ہو تو اُسے مخفی نہ رکھے بلکہ انشراحِ صدر سے اُسی وقت ظاہر کرے تا کہ اسی آن میں تدارک کیا جاوے۔**

محمد عبد الحق صاحبؓ نے عرض کیا کہ جو شرائط سلسلہ میں داخل ہونے کے آپ نے بیان کیے ہیں میں انہی کو اسلام کی شرائط خیال کرتا ہوں۔ جو مسلمان ہو گا اس کے لیے ان تمام باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا **ہمارے اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم ایک سادہ زندگی بسر کرتے ہیں اور تمام تکلفات جو کہ آج کل یورپ نے لوازمِ زندگی بنا رکھے ہیں اُن سے ہماری مجلس پاک ہے۔ رسم و عادت کے ہم پابند نہیں ہیں۔ اس حد تک کہ ہر ایک عادت کی رعایت رکھتے ہیں کہ جس کے ترک سے کسی تکلیف یا معصیت کا اندیشہ ہو۔ باقی کھانے پینے اور نشست و برخاست میں ہم سادہ زندگی کو پسند کرتے ہیں۔**

اگلے روز اسی طرح سوال و جواب کے دوران محمد عبد الحق صاحبؓ نے جو اُس روز حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کا درس سن کر آئے تھے، عرض کیا کہ اس قسم کے ترجمہ (قرآن) کی بڑی ضرورت ہے۔ اکثر لوگوں نے دوسرے ترجموں سے دھوکا کھایا ہے اور اُن کی خواہش ہے کہ حضورؑ کی طرف سے ایک ترجمہ شائع ہو۔

چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا" **میرا خود بھی یہ ارادہ ہے کہ ایک ترجمہ قرآن شریف کا ہمارے سلسلہ کی طرف سے نکلے"۔** مزید فرمایا" **صرف قرآن کا ترجمہ اصل میں مفید نہیں جب تک اُس کے ساتھ تفسیر نہ ہو مثلاً غیر المغضوب علیھم والا الضالین (سورۃ الفاتحہ ۷) کی نسبت کسی کو کیا سمجھ آ سکتا ہے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ جب تک کہ کھول کر نہ بتلایا جائے اور پھر یہ دعا مسلمانوں کو کیوں سکھلائی گئی اس کا یہی منشاء تھا کہ جیسے یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کا انکار کر کے خدا کا غضب کمایا ایسا ہی آخری زمانہ میں اس امت نے بھی مسیح موعودؑ کا انکار کر کے خدا کا غضب کمانا تھا۔ اسی لیے اول ہی اُن کو بطور پیش گوئی کے**

**اطلاع دی گئی کہ سعید روحیں اس وقت غضب سے بچیں۔**

اس کے بعد محمد عبد الحق صاحبؓ کے استفسار پر حضورؑ نے سورۃ النساء کی آیت 185 ما قتلوہ وما صلبوہ۔۔ کی حقیقت بیان کی اور دیگر سوالوں کے جواب دیے۔ آخر پر حضورؑ نے اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ "**ہم ہمیشہ دعا کرتے ہیں اور ہماری ہمیشہ سے یہ آرزو ہے کہ یورپین لوگوں میں سے کوئی ایسا نکلے جو اس سلسلہ کے لیے زندگی کا حصہ وقف کرے لیکن ایسے شخص کے لیے ضروری ہے کہ کچھ عرصہ صحبت میں رہ کر رفتہ رفتہ وہ تمام ضروری امور سیکھ لیوے جن سے اہل اسلام پر سے ایک داغ دور ہو سکتا ہے اور وہ وقت اور شوکت سے بھرے ہوئے دلائل سمجھ لیوے جن سے یہ مرحلہ طے ہو سکتا ہے۔ تب وہ دوسرے ممالک میں جا کر اس خدمت کو ادا کر سکتا ہے۔ اس خدمت کے برداشت کرنے کے لیے ایک پاک اور قوی روح کی ضرورت ہے جس میں یہ ہو گی وہ اعلیٰ درجہ کا مفید انسان ہو گا اور خُدا کے نزدیک آسمان پر ایک عظیم الشان انسان قرار دیا جائے گا**[20]۔

محمد عبد الحق صاحبؓ (Mr.C.F.Sievwright) دو روز قادیان میں رہنے کے بعد واپس چلے گئے اور ہندوستان سے سنگاپور، ویسٹرن آسٹریلیا اور پھر ساؤتھ آسٹریلیا ہوتے ہوئے واپس میلبورن آ گئے۔ چنانچہ 1904 کے اوائل کے مختلف اخبارات میں آپ کے انڈیا کے دورے کے بارے میں تفصیلات ملتی ہیں۔ اسی طرح 1904 کے ہی بعض اخبارات میں آپ کی طرف سے میلبورن کے نواح میں ایک علاقے Cranbourne میں Farmers Union کی نمائندگی کی تفصیلات ملتی ہیں۔

Cranbourne وہ علاقہ ہے جہاں اس وقت کئی احمدی خاندان آباد ہیں۔ جماعتِ احمدیہ میلبورن کا سنٹر Ahmadiyya Center Melbourne وہاں سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ہے[21]۔

بہر حال 1906ء کے اوائل میں آپ نیوزی لینڈ میں تھے جب دو اڑھائی سال کی تحقیق اور دعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو احمدیت یعنی حقیقی اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور آپ کا احمدیت میں شمولیت کا یہ اعلان اپریل 1906ء کے ریویو آف ریلیجنز (Review of Religions) میں شائع ہوا[22]۔

اس کے کچھ عرصہ بعد آپ امریکہ شفٹ ہو گئے چنانچہ ستمبر 1906 کے ریویو آف ریلیجنز (Review of Religions) کے شمارے میں آپ کی طرف سے ایک اعلان شائع ہوا جس میں آپ کا ایڈریس South California, USA کا درج ہے۔ جہاں آپ اپنے طور پر اسلام کی تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ 1920 میں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کی امریکہ آمد کے بعد آپ کا ان سے رابطہ ہوا اور 1922 کے The Muslim Sunrise, Issue-4 میں آپ کا ایک مضمون آپ کی تصویر کے ساتھ شائع ہوا۔ جس میں آپ نے حضرت مسیح موعودؑ سے اپنی ملاقات کی تفصیل بیان کی اور اپنے

احمدی ہونے کا دوبارہ اعلان کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں

" جب میں 34 برس کا تھا تب 23 مارچ 1896 کو میں نے اسلامی تعلیمات اور اسلامی فلاسفی کے متعلق تحقیق شروع کی جس کے نتیجے میں، میں مسلمان ہوا۔ "

آپ مزید لکھتے ہیں " میں اپنے قارئین کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ **میں پیدائشی یا نسلاً محمڈن (مسلمان) نہیں ہوں بلکہ میں محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین کا سچا پیروکار ہوں۔** "


MUHAMMAD ABDUL HAQQ
C. F. Sevwright

محمد عبدالحق صاحبؓ

پھر لکھتے ہیں " جب میں نے 1903 میں برٹش اینڈ انڈین ایمپائر لیگ کے نمائندہ کے طور پر انڈین نیشنل کانگرس کی سالانہ میٹنگ میں شامل ہونے کے لیے انڈیا کا سفر کیا تھا تو ان ممالک کے دورے سے میرا ایک مقصد اسلامی تعلیمات سے واقفیت حاصل کرنا بھی تھا۔ "

پھر حضرت مسیح موعودؑ سے اپنی ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

**" میرے مشرقِ بعید کے اس سفر کے دوران مجھے حضرت مسیح موعودؑ کے بارے میں خبردار کیا گیا تھا لیکن قادیان میں میرے سارے شکوک وشبہات دور ہو گئے اور ایک عجیب روحانی احساس کے ذریعہ مجھے اس بات کا ثبوت مل گیا کہ جو الٰہی پیشگوئیاں مسیح موعود کے بارے میں کی گئی تھیں وہ آپ (حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ) کے وجود میں پوری ہو گئیں۔ 1903 میں قادیان میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی سے ملاقات اسلام کی صداقت کا ایک حیرت انگیز ثبوت تھا کہ جس وجود کے بارے میں وہ الفاظ جو تیرہ صدیاں قبل کہے گئے تھے آپ کی ذات میں پورے ہو گئے۔ میرے لیے اپنی زندگی میں تمام سفروں کے دوران پیش آنے والے مختلف واقعات میں سے اس سے حیرت انگیز واقعہ نہیں گذرا۔ جب میں قادیان کی بستی میں اس کے مسیح کے سامنے تھا اور آخر کار جب مجھے ان کے سامنے پیش کیا گیا اور ہماری آنکھیں ملیں تو مجھے دیکھتے ہی وہ جان گئے کہ میں حق اور سچائی کا متلاشی ہوں اور انہیں دیکھتے ہی میں جان گیا کہ یہ وہی الٰہی وجود ہے۔ جس کو اس زمانہ میں مومنوں کو اکٹھا کرنے اور اسلام کو دنیا میں پھیلانے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس ملاقات کا اہتمام اللہ تعالیٰ ہی نے میرے لیے کیا تھا اور وہی ہے جس نے میرے جسم اور میری روح میں حضرت مسیح موعودؑ کی محبت ڈالی۔**

بالآخر کئی ماہ کی سوچ، تحقیق اور دعا کے بعد میں نے اپریل1906 میں یہ اعلان کیا کہ میں جماعت احمدیہ آف قادیان کا ایک ممبر ہوں اور اس طرح میں ساری دنیا میں اسلامی تعلیمات کو پھیلانے والی سب سے منظم اور فعال محمڈن مشنری ایسوسی ایشن کے ساتھ منسلک ہوا اور یہ اعلان دنیا کے ایک دور دراز ملک نیوزی لینڈ سے بھجوایا گیا تھا۔

**جو الفاظ میں نے اوپر لکھے ہیں، میں اپنے دل کی گہرائیوں سے ان پر یقین رکھتا ہوں اور آج سے 19 سال قبل جب میں نے اپنے آقا کو قادیان میں الوداع کہا تھا، میں تب سے ان کی صداقت کا قائل ہوں اور مفتی محمد صادق صاحبؓ کی یہاں آمد کے بعد میں اس آرٹیکل کے ذریعہ اپنے عہد کی تجدید کر رہا ہوں کہ میں جماعت احمدیہ سے منسلک ہوں اور پہلے بھی مفتی محمد صادق صاحبؓ کی یہاں آمد کے بعد ان کی مدد کرتا رہا ہوں اور آئندہ بھی اسلامی تبلیغ کی مساعی میں مدد کرتا رہوں گا**[23]۔

جماعتِ احمدیہ امریکہ میں محترم احتشام الحق کوثر صاحب نے بھی محمد عبدالحق صاحبؓ کی قبر اور امریکہ میں ان کے قیام کے بارے میں تحقیق کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں

امریکہ کی گورنمنٹ کے records سے ثابت ہے کہ حضرت عبدالحق صاحب نےؓ امریکہ کی طرف 1906 میں اپنی بیوی روسلین (Rosaline) کے ساتھ ہجرت کی اور پہلے Fresno, California میں رہے اور پھر 1914 سے Los Angeles کی طرف move ہوئے۔ ان کی دو بیٹیاں تھی، پہلی بیٹی Carroll 1908 میں پیدا ہوئی اور دوسری Iris 1913 میں پیدا ہوئی

1923 میں حضرت محمد عبدالحقؓ صاحب نے رمضان کے مہینے میں Los Angeles Examiner کے اخبار میں انٹرویو دیا جس میں رمضان کی حقیقت کا ذکر کیا۔ اس کے editor نے حضرت محمد عبدالحق صاحب کو وہاں کا minister کہلایا اور یہ بھی ساتھ لکھا کہ ان کے مطابق اور بھی کئی مسلمان اس شہر میں رہتے ہیں۔

انہی ایام میں حضرت محمد عبدالحق صاحب نے نہ صرف تبلیغ کے ذریعہ سے اسلام اور احمدیت کی خدمت کی بلکہ مالی قربانی اس رنگ میں کی کہ قرآن کو خریدتے تھے اور The Muslim Sunrise میں باقی لوگوں کو بھی تلقین کرتے تھے کہ وہ بھی اس کو خریدیں اور اس کو پڑھنا روز کا معمول بنائیں

آپ کی وفات Los Angeles میں ہوئی اس کا سن ابھی واضح records میں نہیں آیا، ممکن ہے کہ tombstone سے مٹ گیا ہے یا قبرستان نے فی الحال شائع نہیں کیا۔ آپ کی قبر کی تفصیل یہ ہے

قبرستان Forest Lawn – Glendale, CA

جگہ Section Acacia, Map 1, Lot 179, Space 4 ”

آپ کی اہلیہ کی وفات 1967 میں ہوئی اور ان کی قبر بھی آپ کی قبر سے ملحق Forest Lawn Memorial Park (Glendale) Los Angeles Country, California USA میں ہے[24][25]۔

## 1904-1906 پرتھ میں پہلی محمڈن مسجد کا قیام اور حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی شاندار خدمات

جیسا کہ پہلے ذکر گذر چکا ہے کہ مسلمانوں نے ماری (Maree)، بروکن ہل (Broken Hill) اور ایڈیلیڈ (Adelaide) وغیرہ میں انیسویں صدی کے نصف آخر میں مساجد تعمیر کر لی ہوئی تھیں۔ لیکن پرتھ اور اسکے گردونواح میں رہنے والے مسلمان ایک لمبے عرصے سے ایک مسجد کی تعمیر کے لیے کوشش کر رہے تھے۔ 1895 میں مسلمانوں نے ویسٹرن آسٹریلیا گورنمنٹ سے کچھ گرانٹ حاصل کرنے کی کوشش کی جو گورنمنٹ نے اس وقت عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں کے لیے دی لیکن مسلمانوں کو اپنی مسجد کی تعمیر کے لیے ایسی مدد نہیں دی گئی کیونکہ ایک تو مسلمانوں کو اس معاشرے کا حصہ نہیں سمجھا جاتا تھا اور نہ ہی آسٹریلوی چاہتے تھے کہ یہ افغان مستقل آسٹریلیا میں رہیں۔[26]۔
لہذا مسلمانوں نے خود چندہ جمع کر کے مسجد بنانے کی کوششوں کا آغاز کیا۔ چنانچہ اس ضمن میں مسلمانوں کے 25 نمائندوں نے 13 اگست 1903 کو پرتھ میں ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر کے لیے ایک کمیٹی تجویز کی تو حضرت حسن موسیٰ خانؓ کو بھی اس کمیٹی کا ممبر چُنا گیا اور ویسٹرن آسٹریلیا میں ڈی محمڈن ماسک The Mohammadan Mosque کے نام سے جو پہلا ادارہ ویسٹرن آسٹریلیا میں وجود میں آیا اس کے آنزی سیکرٹری حضرت صوفی محمد حسن موسیٰ خان صاحبؓ ہی تھے۔ اس مسجد کی تعمیر کے حوالے سے کرسٹین سٹیونز (Christine Stevens) لکھتی ہے

“The promoters of the Perth Mosque were Afghans like H.M. Musa Khan the Learned Secretary and Faiz Mahammad ”[27]

حضرت حسن موسیٰ خان صاحبؓ پرتھ میں رہ کر زیادہ تر دفتری کام نپٹایا کرتے تھے جبکہ جمعدار فیض محمد مختلف شہروں اور قصبوں میں جا کر چندہ اکٹھا کرتے تھے جس کے نتیجے میں بالآخر 1904 میں مسلمانوں نے 680£ کا پرتھ شہر کے وسط میں William Street کے کونے پر مسجد کی تعمیر کے لیے ایک رقبہ خرید لیا اور 13 نومبر 1905 بمطابق 15 رمضان

1323 ہجری کو پرتھ کی محمڈن ماسک کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ اس تقریب میں بھی حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ موجود تھے اور آپ نے بھی مسجد کا سنگِ بنیاد رکھنے میں حصہ لیا۔ مسجد کی تعمیر کے لیے چندہ اکھٹا کرنے کی خاطر جمعدار فیض محمد نے سینکڑوں میل کا سفر کیا۔ چنانچہ حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ نے اپنی کتاب میں اُسے خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں




**Mohammadan Mosque Perth**

About five-sixth of the funds were collected by him (Faiz Muhammad) travelling hundreds of miles by land and see, by rail coach and on camel back to different parts of the godfields where camel carriers and traders carry on business[28].

جن مسلمانوں نے اُسوقت مسجد کی تعمیر کیلیے چندہ دیا ان کے نام حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ نے اپنی کتاب History of Islamism in Australia میں درج کیے ہیں۔ اس مسجد کی تعمیر 1906 کے اواخر میں مکمل ہوئی جس میں مسجد سے

ملحق تین کمرے، ایک کچن اور وضو کے لیے جگہ بھی بنائی گئی تھی۔

حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ نے پرتھ کی مسجد بنانے کے لیے جو شاندار خدمات سرانجام دیں وہ آسٹریلیا کی تاریخ اسلام میں ہمیشہ سنہری حروف میں لکھی جائیں گی۔ آسٹریلیا میں ابتدائی مسلمانوں اور اسی طرح پرتھ مسجد کے بارے میں کوئی ایسی کتاب یا ویب سائٹ نہیں جس میں حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی خدمات کا برملا طور پر اظہار نہیں کیا گیا۔ آپ تقریباً 20 سال تک اس مسجد کے سیکرٹری کے طور پر فرائض سرانجام دیتے رہے۔ چنانچہ سیکرٹری صاحب انجمن کارپرداز کو اپنے ایک مکتوب میں آپؓ لکھتے ہیں

"اس شہر کی مسجد کی عاجز نے بیس سال خدمت کی ہے۔ اس کی جائیداد میں عاجز کا ایک ہزار پاؤنڈ یا زیادہ حق ہوتا ہے۔" [29]

آپ کو اس مسجد سے بہت محبت تھی چنانچہ آپ نے اپنی وصیت میں اپنی جائیداد کا 6/1 حصہ پرتھ مسجد کے حق میں وصیت کیا تھا۔ بلاشبہ پرتھ مسجد کی خدمات میں دیگر تمام مسلمانوں سے زیادہ سرگرم آپ تھے۔ آپ کے چلے جانے کے بعد بھی آپ کی خدمات اور مسجد کے معاملات کی حسنِ ادائیگی کا اعتراف نہ صرف اپنوں نے بلکہ غیروں نے بھی کیا چنانچہ Northmore Hale & Dairy Solicitors اپنے مکتوب 28 جون 1921 میں حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحب کے حسن معاملہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"Unfortunately however Mr. Musa Khan who from the first has been the most active member of the Mohammadan faith in his effort to establilsh the mosque, had to leave the state and there was no one left behind who had sufficient education to carry out the work of prepairy and finalising the rules and regulation" [30]

پرتھ کی یہ مسجد آج بھی پرتھ شہر کے وسط میں موجود ہے اور جب تک یہ موجود رہے گی، حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کے لیے ہر درد مند مسلمان کی دلی دعا جنت میں آپ کے درجات کی بلندی کا باعث بنتی رہے گی۔

## 1906 حضرت حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی نظامِ وصیت میں شمولیت اور آپ کا اعزاز

دسمبر 1905 حضرت مسیح موعودؑ نے رسالہ "الوصیت" کے ذریعہ احمدیوں کو نظامِ وصیت میں شامل ہونے کی تحریک فرمائی۔ جماعت احمدیہ کے مرکزی ریکارڈ کے مطابق برصغیر پاک وہند سے باہر ساری دنیا میں نظامِ وصیت میں سب سے پہلے شامل

ہونے کی سعادت حضرت صوفی محمد حسن موسیٰ خان صاحبؓ کے حصہ میں آئی۔ چنانچہ مرکز کی طرف سے مضمون "الوصیت" بھجوائے جانے پر آپؓ نے جو فوری رد عمل دکھایا اس کا اظہار ان کے درج ذیل مکتوب بتاریخ 13 مارچ 2006 سے بخوبی ہوتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں

" جناب فیض مآب حضرت اقدس مولانا مسیح و مہدی علیہ السلام! السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ والسلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین۔ عرض یہ ہے کہ آپ کا مراسلہ مبارکہ الوصیت کا اس عاجز نے بخوبی مطالعہ کیا اور بموجب ہدایت آنحضرت کے گذشتہ میل میں ایک پونڈ بخدمت شریف روانہ کیا ہے۔ بابت چندہ مقبرہ شریف کے اور اس خط کے ساتھ بندہ اپنا وصیت نامہ دستخط کر کے روانہ کرتا ہے۔ اُمید ہے کہ حضرت اقدس اس کو قبول فرما کر بندہ کو سرفراز فرمائیں گے " [31]

آپ نے 1/6 حصہ کی وصیت کی تھی۔ آپ کی حضرت مسیح موعودؑ سے کبھی ملاقات نہیں ہو سکی لیکن تمنا اور آرزو زیارت دل میں ہر وقت مچلتی رہتی تھی۔ چنانچہ اپنے اسی مکتوب میں اپنی اس آرزو کا اظہار کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں

" اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس عاجز کو حضرت اقدس کے بیعتِ حضوری سے مشرف فرماوے "[32]

آپ کے اسی اخلاص اور برصغیر سے باہر پہلے موصی ہونے کے اعزاز کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 14 اپریل 2006 میں آپ کے بارے میں فرمایا

**" لیکن یہاں آپ لوگوں کی دلچسپی کے لیے میں جو بات بتانے لگا ہوں وہ یہ ہے کہ یہاں جو تاریخ مرتب ہوئی ہے اس کے مطابق حضرت صوفی صاحب کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ بیرون ہندوستان نظام وصیت میں شامل ہونے والے اولین موصی ہیں اور حضرت مسیح موعودؑ نے جب وصیت کا اعلان فرمایا تو اس کے تین مہینے کے بعد ہی انہوں نے وصیت کر دی تھی، اور اس طرح آپ کی وصیت مارچ 1906 کی ہے۔ پھر اس لحاظ سے اس ملک میں یعنی اس براعظم میں نظام وصیت کے پہلے پھل کو بھی 100 سال ہو گئے ہیں۔ یہ اپریل کا مہینہ ہے۔ صرف ایک مہینہ ہی اوپر ہوا ہے۔ حضرت صوفی صاحب نے یقیناً ایک تڑپ کے ساتھ حضرت مسیح موعودؑ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اس دروازے میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی اور یقیناً یہ کامیاب کوشش تھی، کیونکہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں انجام بخیر ہونے کی خبر الہاماً دی تھی اور آپ یقیناً حضرت مسیح موعودؑ کی دعاؤں کے بھی وارث بنے جو آپ نے اس نظام میں شامل ہونے والوں کے لیے کی ہیں اور بے شمار دعائیں ہیں جو آپ نے کی ہیں اللہ تعالیٰ تقویٰ میں ترقی دے، نفاق سے پاک کرے تو یہ صرف اتفاق نہیں ہے۔**

اب میں سمجھتا ہوں کے 100 سال کے بعد بیرون ہندوستان کے پہلے موصی کے ملک میں یہ میرا دورہ ہے اور اس سے پہلے میں وصیت کرنے کی تحریک بھی کر چکا ہوں۔ یہاں آنے سے پہلے مجھے علم بھی نہیں تھا کہ یہاں بھی حضرت مسیح موعودؑ کے نظام وصیت کا پہلا پھل آج سے 100 سال پہلے لگ چکا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کے زمانے میں یہ پھل لگا اور آج سے پورے 100 سال پہلے ایک ایسا کامیاب پھل تھا جس کی اللہ تعالیٰ نے تسلی بھی کروائی کہ تمہارا انجام بھی بخیر ہو گا۔ تو کہنا میں یہ چاہتا ہوں کہ بیرون پاکستان اور ہندوستان نظام وصیت کی طرف توجہ اس ملک کے احمدیوں کو اس لحاظ سے بھی خاص طور پر کرنی چاہیے کہ وہ ایک شخص تھا یا چند ایک اشخاص تھے جو یہاں رہتے تھے ان میں سے ایک نے لبیک کہتے ہوئے فوری طور پر وصیت کے نظام میں شمولیت اختیار کی۔ آج آپ کی تعداد سینکڑوں، ہزاروں میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل بھی بہت زیادہ ہیں اور 100 سال بعد اور تقریباً اس تاریخ کو 100 سال بھی پورے ہو چکے ہیں۔ اس لیے اس لحاظ سے آپ لوگوں کو جو کمانے والے لوگ ہیں، جو اچھے حالات میں رہنے والے لوگ ہیں، ان کو اس نظام میں شامل ہونے کی کوشش کرنی چاہیے اور سب سے پہلے عہدیداران اپنا جائزہ لیں اور امیر صاحب بھی اس بات کا جائزہ لیں کہ 100 فیصد جماعتی عہدیداران اس نظام میں شامل ہوں یا مقامی ذیلی تنظیموں کے عہدیداران ہوں۔ گو کہ اللہ کے فضل سے مجھے بتایا گیا ہے کہ یہاں موصیان کی تعداد کافی اچھی ہے لیکن حضرت صوفی صاحب کے حالات پڑھ کر جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی ہے کہ یہاں کا ہر احمدی موصی ہو اور تقویٰ پر قدم مارنے والا ہو۔ یہ ایسا بابرکت نظام ہے جو دلوں کو پاک کرنے والا نظام ہے۔ اس میں شامل ہو کے انسان اپنے اند تبدیلیاں محسوس کرتا ہے۔[33]

## 1908ء۔ پروفیسر کلیمنٹ ریگ کی حضرت اقدس مسیح موعودؑ سے ملاقات اور اس کا اثر

مولانا دوست محمد شاہد صاحب تاریخ احمدیت میں آپکی حضرت مسیح موعودؑ سے ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"پروفیسر ریگ ان دنوں ہندوستان کی سیاحت کر رہے تھے۔ مفتی محمد صاق صاحبؓ نے ان سے ملاقات کی اور حضرت اقدسؑ کے دعاوی اور دلائل وغیرہ ان کو سنائے جس پر پروفیسر صاحب نے حضرت اقدسؑ سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا۔ چنانچہ 12 مئی 1908 کو قبل ظہر ان کو شرفِ باریابی نصیب ہوا۔ پروفیسر صاحب نے دوران ملاقات حضور سے کئی سوالات کیے مثلاً جب خدا کی مخلوق بے شمار اور غیر محدود ہے تو اس کے فضل کو کیوں صرف اس حصہ زمین یا کسی مذہب وملت میں محدود رکھا جائے؟ گناہ کیا چیز ہے؟ شیطان کسے کہتے ہیں؟ آئندہ زندگی کس طرح سے ہو گی اور وہاں کیا کیا حالات ہونگے؟ مسٹر ریگ کے ساتھ ایک لیڈی بھی تھی جس نے یہ سوال کیا کہ کیا مُردوں سے رابطہ کر کے ان کے صحیح حالات دریافت کیے جاسکتے ہیں؟

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ان تمام سوالات کے نہایت لطیف، مسکت اور جامع جوابات دیے جنہیں سُن کر مسٹر ریگ از حد متاثر ہوئے اور حضورؑ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا "مجھے اپنے سوالات کا جواب کافی اور تسلی بخش ملنے سے بہت خوشی ہوئی مجھے ہر طرح سے کامل اطمینان دلانا خدا کے نبی کے سوا کسی میں نہیں

## دوسری ملاقات

مسٹر ریگ 18 مئی کو دوبارہ حاضر ہوئے اور اس دفعہ بھی حضورؑ سے کئی سوالات کیے مثلاً خدا محدود ہے یا ہر جگہ حاضر وناظر ہے۔ اس میں کوئی شخصیت یا جذبات پائے جاتے ہیں؟ اس کی کوئی شکل بھی ہے؟ دنیا میں اس نے ادنیٰ اعلیٰ کا تفاوت کیوں رکھ دیا؟ کیا بائبل کے بیان کے مطابق پہلا انسان جیحوں سیحوں میں پیدا ہوا تھا؟ کیا حضورؑ مسئلہ ارتقاء کے قائل ہیں؟ سپر پچولزم کی رائے ہے کہ زندگی چاند سے پہنچی ہے کیا یہ صحیح ہے؟ مکھیوں یا ادنیٰ قسم کے جانوروں میں جو زندگی پائی جاتی ہے اسکو کس نام سے تعبیر کیا جائے؟ وغیرہ ذلک۔



***Clement*** **Lindley *Wragge***

غرض یہ کہ علوم جدید کے ماہرین کے دلوں میں جن باتوں سے خلش ہوتی ہے وہ مسٹر ریگ نے دل کھول کر حضورؑ کے سامنے رکھ دیں۔ حضورؑ نے ہر سوال کے جواب میں ایسی مختصر مگر جامع روشنی ڈالی کہ وہ وجد میں آکر کہنے لگے میں تو خیال کرتا تھا کہ سائنس اور مذہب میں بڑا تضاد ہے جیسا کہ عام طور پر علماء میں مانا گیا ہے مگر آپ نے تو اس تضاد کو بالکل اٹھا دیا ہے۔ حضورؑ نے فرمایا کہ یہی تو ہمارا کام ہے اور یہی تو ہم ثابت کر رہے ہیں کہ سائنس اور مذہب میں بالکل اختلاف نہیں بلکہ مذہب بالکل سائنس کے مطابق ہے اور سائنس خواہ کتنا ہی عروج پکڑ جاوے مگر قرآن کی تعلیم اور اسلام کے اصولوں کو ہرگز ہرگز نہ جھٹلا سکے گی۔

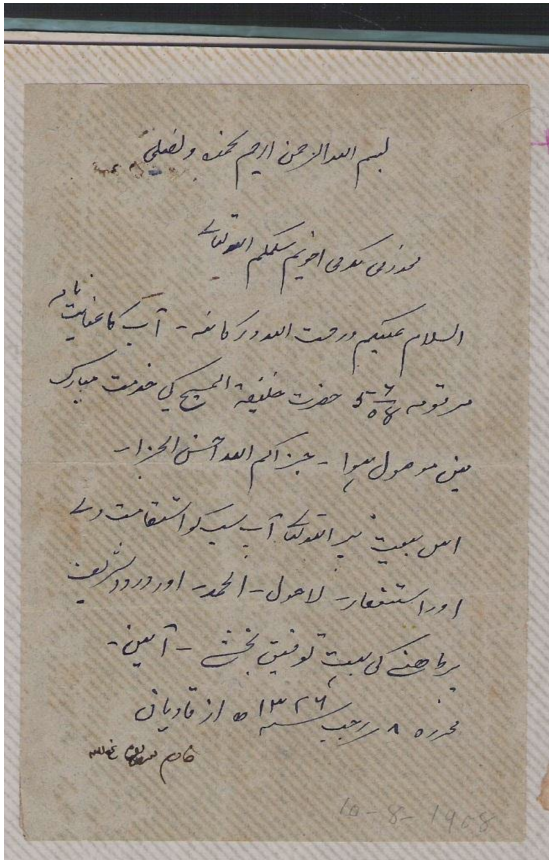
## پروفیسر ریگ کے خیالات میں تبدیلی

اس ملاقات کے بعد پروفیسر ریگ کے خیالات میں بھاری تبدیلی واقع ہوگئی۔ چنانچہ پہلے وہ ہمیشہ اپنے لیکچروں میں مسیح کی مصلوب تصویر پیش کر کے کہا کرتے تھے کہ یہ مسیح کی تصویر ہے جس نے تمام دنیا کے گناہوں کا کفارہ ہو کر اپنی کامل محبت اور رحم کا ثبوت دیا مگر اب وہ صرف یہ الفاظ کہتے کہ یہ تصویر صرف عیسائیوں کے واسطے موجب خوشی ہو سکتی ہے۔ سچی تعریف اور ستائش کے لائق وہی سب سے بڑا خدا ہے۔

پروفیسر صاحب بعد میں احمدی ہو گئے تھے اور مرتے دم تک اسلام پر قائم رہے اور ان کے خطوط حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے پاس آتے تھے۔[35]

## جولائی 1908 حضرت صوفی محمد حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی بیعتِ خلافت

حضرت صوفی صاحبؓ تبلیغ احمدیت میں مصروف تھے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا وصال ہو گیا اور حضرت خلیفۃ المسیح اول طبیب مولوی نورالدینؓ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے جس پر حضرت صوفی صاحبؓ نے 5 جولائی 1908 کو بیعت خلافت کا مکتوب حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی خدمت میں لکھا یہ بیعت نامہ آپ کے بچوں کی طرف سے بھی تھا۔ جن کے نام یہ ہیں عبد الحمید خان صاحب، مریم شرف النساء بیگم صاحبہ، فاطمہ امۃ اللہ صاحبہ [36] حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے آپکی بیعت کو قبول کرتے ہوئے مندرجہ ذیل خط آپ کو جوب بھیجا



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی

مخدومی و مکرمی اخویم سلکم اللہ تعالیٰ

السلام و علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا عنایت نامہ مرقومہ 5/7/08 حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت مبارک میں موصول ہوا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

اس بیعت پر اللہ تعالیٰ آپ سب کو استقامت دے اور استغفار، لاحول، الحمد اور درود شریف پڑھنے کی بہت توفیق بخشے۔ آمین

محررہ ۸ رجب ۱۳۵۶ھ از قادیان[37]

## حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی طرف سے اظہارِ خوشنودی

حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی ابتدائی دینی و تبلیغی خدمات جو آپ نے آسٹریلیا میں انجام دیں ناقابل فراموش ہیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے ان پر اظہارِ خوشنودی فرمایا جس کا ایک دستاویزی ثبوت حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کا وہ خط

بھی ہے جو انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے حکم سے 18 فروری 1909 کو قادیان سے حضرت صوفی صاحبؓ کے نام لکھا اور جس کے ابتدائی الفاظ یہ تھے کہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

برادرم مکرم

السلام و علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ

آپ کا خط مورخہ 11 جنوری آج ملا اور موجب فرحت ہوا اور اس کے ساتھ اخبار کا ایک ٹکڑا ملا جس میں آپ کا مضمون متعلق پیغام صلح میں چھپا ہے۔ اس کو حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضرت نے پسند فرمایا کہ آپ نے اس ملک کے لوگوں کو کسی نہ کسی طرح سلسلہ عالیہ احمدیہ کے حالات سے آگاہ کرنے کی سعی کی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے آمین۔ آپ ہر سہ برادران کے اخلاص اور نیکی سے حضرت خوش ہیں اور دعا کرتے ہیں آپ تو بالخصوص ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں چاروں طرف عیسائیوں کی آبادی ہے دعا کرتے ہیں۔ آپ کا وہاں رہنا اسلام کی خدمت کا موجب ہو جائے۔"

مکتوب کے آخر میں آپ نے تحریر فرمایا

" آپ کے فرمانے کے مطابق حضرت کی خدمت میں عرض کر کے دو تین سطریں لکھوائی گئی ہیں جو کہ اوپر ہیں۔ خدا کا فضل آپ کے ساتھ ہو۔ مسز موسیٰ خان کو السلام علیکم کہیں۔ خادم محمد صادق عفی اللہ عنہ۔ قادیان 18/02/09 [38]

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی جس تحریر مبارک کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے قادیان نے رسالہ "اصحابِ احمد" مئی 1955 میں اس کا عکس حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے مکتوب کے ساتھ شائع کر دیا ہے جو یہ ہے

" السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ثم جزاکم اللہ احسن الجزاء ایسے بلاد میں خدمتِ اسلام کا خوب موقع ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق بخشے۔ آمین۔ نورالدین"

حضرت صوفی صاحب نے خلافتِ اولیٰ کے عہد میں اعلائے کلمہ اسلام کیلیے جو مساعی جمیلہ کیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ انفرادی تبلیغ کے علاوہ سلسلہ احمدیہ کے مرکزی اخبار "بدر" کو بھی اس ملک کے حالات سے باخبر رکھتے تھے اور اس ضمن میں آسٹریلیا کے بعض اہم انگریزی اخبارات کی ضروری باتوں پر نشان لگاتے اور باقاعدگی سے ایڈیٹر اخبار "بدر" حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی خدمت میں بھجوا دیتے۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے "بدر" 12 جنوری 1911 کے صفحہ 2 پر "ڈاک

آسٹریلیا" کے عنوان سے لکھا کہ

"ہم اس مکرم بھائی کے مشکور ہیں کہ وہ اتنی دور سے اس قدر محبت کے ساتھ اخبارات ہم کو بھیجتے ہیں۔ یہ ہر سہ برادران محمد ابراہیم موسیٰ خان، محمد حسین موسیٰ خان اور حسن موسیٰ خان صاحب اخلاص و محبت میں اپنی آپ ہی نظیر ہیں۔"

حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ نے حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی "غلبت الروم" کے ظہور پر آسٹریلیا کے ایک اخبار میں ایک نوٹ بھی شائع کروایا جس سے احمدیت کی آواز متعدد حلقوں تک پہنچی۔[39]۔

اسی نوٹ کے متعلق مزید مکرم خالد سیف اللہ خان صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں

"ریویو آف ریلیجنز کے آپ باقاعدہ خریدار تھے اور اس میں بھی آپ کی خدمات کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ جب ریویو میں ترکی کے بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ کی اُس پیشگوئی کے متعلق مضمون شائع ہوا جس میں بتایا گیا تھا کہ غلبہ پانے کے بعد جلد ہی مغلوب ہو جائیں گے۔ تو آپ نے اس کو آسٹریلیا کے اخباروں میں بھی شائع کروایا۔ چنانچہ ریویو کے شمارہ اگست 1918 کے صفحہ 300 پر حضرت مولوی شیر علی صاحب کے انگریزی مضمون کا اردو ترجمہ شائع ہوا جس میں آپ نے تحریر فرمایا کہ "ہمارے ایک مخلص دوست اور مکرم بھائی حاجی حسن موسیٰ خان صاحب نے جو آسٹریلیا میں رہتے ہیں اپنے ہاں بعض اخباروں میں بھی اس پیشگوئی کو شائع کروایا تھا۔ مثلاً اخبار ٹروتھ کی اشاعت مورخہ 16 جنوری 1916 اور 14 مئی 1916 ہیں" [40]

اس ضمن میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ریویو آف ریلیجنز کے یہ قدیم نسخے ابھی بھی بعض پرانے افغان خاندانوں کے پاس پڑے ہیں اور بعض نے ان کو محققین کے سپرد کر دیا ہے۔ چنانچہ کرسٹین سٹیونز (Christine Stevens) نے اپنی کتاب ٹِن موسکس اینڈ غان ٹاؤنز (Tin Mosques and Ghan Towns) میں اپنی تحقیق کے دوران جو مذہبی کتب، پمفلٹس وغیرہ کی تصاویر لیں ان میں ریویو کا بھی ایک شمارہ شامل ہے[41]۔

## ملک محمد بخش۔ آسٹریلیا کے ایک اور ابتدائی احمدی

مکرم دوست محمد شاہد صاحب اپنے مضمون میں لکھتے ہیں

" اس زمانہ کے (1910 کے قریب-ناقل) سلسلہ احمدیہ کے مرکزی اخبارات میں آسٹریلیا میں مقیم نولکھا بازار لاہور کے ایک اور احمدی بزرگ ملک محمد بخش صاحب کا ذکر ملتا ہے۔ جنہوں نے آسٹریلیا سے اپنی وصیت لکھ کر بھیجی کہ اُن کی جائیداد کا جو وہاں اور ہندوستان میں ہے چہارم حصہ برائے اشاعتِ اسلام صدر انجمن احمدیہ کے سپرد کیا جائے۔ یہ آسٹریلیا کی پہلی وصیت تھی جو اخبار "بدر" 27 اپریل 1911 صفحہ 2 پر اشاعت پذیر ہوئی۔" [42]

ملک محمد بخش صاحب کے متعلق چند نوٹس

مرکز سے اُن کے وصیت ریکارڈ سے مزید معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ آسٹریلیا کے ابتدائی مسلمانوں میں سے ایک نام "ملک محمد بخش" ملتا ہے جن کا صرف اتناذ کر ہے کہ وہ 1866 کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ جبکہ 1920-1924 اور 1930-1934 کے دوران دو دفعہ واپس اپنے ملک گئے۔ اسی طرح ایک جگہ شیر محمد صاحب اور ملک محمد بخش صاحب کا 1913 میں یوں ذکر ملتا ہے کہ انہوں نے Dictation Test سے Exemption اپلائی کی۔ یہ ٹیسٹ 1901 کی پالیسی کے بعد ہر نئے آنے والے افغان / غیر آسٹریلوی کو دینا پڑتا ہے۔ ان دونوں (ملک محمد بخش صاحب اور شیر محمد صاحب) کا اس ٹیسٹ سے Exemption اپلائی کرنا بتاتا ہے کہ یہ 1901 سے قبل یہاں آسٹریلیا میں موجود تھے۔ اسی طرح ملک محمد بخش کے نام کی قبر کا بھی پرتھ میں پتہ ملتا ہے۔ آپ 1946 میں فوت ہوئے اور کاراکاٹا (وہی قبرستان جہاں حضرت صوفی محمد حسن موسیٰ خان صاحبؓ) مدفون ہیں۔ آپکی قبر ہے بلکہ حضرت صوفی صاحب کی قبر کے پاس ہی اُسی سیکشن AA میں آپ کی قبر کا نمبر 112 ہے جبکہ حضرت صوفی صاحبؓ کا 100 ہے۔ بہر حال یہ ابتدائی تحقیقات ہیں۔ ان کے بارے میں حتمی فیصلہ مرکزی وصیت ریکارڈ یا دیگر کاغذات دیکھکر کیا جاسکتا ہے۔

میرے نزدیک یہ نوٹس فی الحال تاریخ کا حصہ نہیں ہونے چاہیے لیکن آئندہ مزید تحقیق کے لیے بطور حوالہ لکھ دیے ہیں۔

## 1912- حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی قادیان میں آمد اور درسِ رمضان سے استفادہ

حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحب اپنے آسٹریلیا آنے کے بعد غالباً پہلی دفعہ واپس تشریف لے گئے۔ پہلے آپ اپنے بھائیوں کے پاس خیر پور سندھ گئے اور پھر اگست 1912 میں قادیان پہنچے اور رمضان المبارک کا پورا درس حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی زبانِ مبارک سے سنا۔ جس کا پتہ آپ کے مکتوب 15 ستمبر 1912 سے چلتا ہے جو آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی خدمت میں ارسال کیا اور رسالہ اصحابِ احمد جلد نمبر ۲، نمبر ۳، نمبر ۴ ص نمبر 29 پر شائع شدہ ہے۔ آپ اگلے سال دوبارہ قادیان حاضر ہوئے تا کہ حضورؓ کے مبارک درس سے فیض یاب ہو سکیں۔ الفضل 6 اگست 1913 سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے اس دفعہ آپ حیدر آباد سندھ سے واردِ قادیان ہوئے تھے۔[43]

## اپنے آبائی وطن میں رہنے کی خواہش اور حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کا ارشاد

آسٹریلیا سے آنے کے بعد حضرت حسن موسیٰ خان صاحبؓ اکثر بیمار رہتے تھے اور جب کھانسی اور دمہ کا دورہ شروع ہوتا تو ایک دو ماہ تک بستر سے اٹھنے کی توفیق نہ ملتی تھی اور آپ کے اہل و عیال بھی آسٹریلیا میں تھے اور آپ کا ارادہ تھا کہ انہیں واپس بلالیا

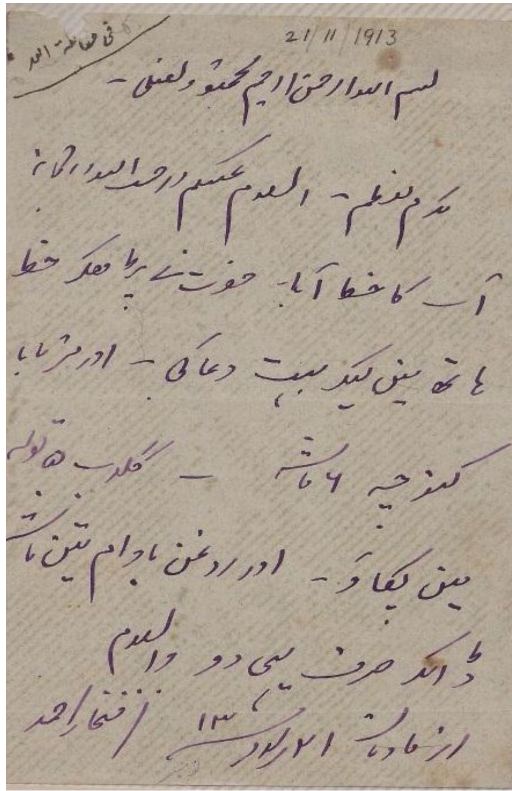
جائے بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے مشورہ کے بعد آپ نے ان کے لیے ٹکٹ کا خرچہ بھی بھیج دیا تھا اور بار بار حضور کی خدمت میں درخواستِ دعا کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں حضورؓ نے ان کے ایک خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ

اگر تمہاری صحت اچھی ہے تو تم خود آسٹریلیا جاؤ اس میں تمہاری بہتری ہے۔

اس ہدایت پر آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی خدمت میں 18 اگست 1913 کو مزید راہنمائی کے لیے درخواست کی کہ "آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟" اہل و عیال کے آنے کا انتظار کروں یا میں خود آسٹریلیا کو جاؤں اور وہاں تبلیغ کے کام میں مشغول رہوں۔ الحمد اللہ اس وقت اللہ کے فضل سے صحت اچھی ہے۔ دمہ یا کھانسی کی شکایت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی ہے" اس عریضہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے رقم فرمایا

" السلام علیکم۔ آپ بہتر ہے کہ خود تشریف لے جائیں۔

والسلام نورالدین" [44]



فی حفاظت اللہ

21/11/1913

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی۔

مکرم معظم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا خط آیا۔ حضرت نے پڑھکر خط

ہاتھ میں لیکر بہت دعا کی۔ اور فرمایا

کنوچہ ۶ ماشہ۔ گلاب ۵ تولہ

میں پکاؤ۔ اور روغن بادام تین ماشہ

ڈالکر صرف یہی دو۔ والسلام

ارشاد حضرت ۲۱/۱۱/۱۳ از افتخار احمد

اسی طرح 21 نومبر 1913 کے آپ کے نام ایک مکتوب میں ذکر ملتا ہے کہ حضورؓ نے آپ کے لیے خاص دعا کی اور آپ کے لیے ایک نسخہ بھی تجویز کیا۔ خط کے الفاظ یہ ہیں

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی

مکرم و معظم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط آیا۔ حضرت نے پڑھکر ہاتھ میں لے کر بہت دعا کی اور فرمایا کنوچہ 6 ماشہ، گلاب 5 تولہ میں پکاؤ اور روغن بادام تین ماشہ ڈال کر صرف یہی دو۔" [45]

چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے ارشاد پر حضرت صوفی صاحبؓ خلیفہء وقت کی زیارت اور قادیان دالامان کی برکات سے مستفیض ہونے کے بعد 22 فروری 1914 کو تیسری بار فرنچ میل جہاز میں بمبئی سے آسٹریلیا تشریف لے گئے [46]

یہ حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کا برصغیر کا آخری سفر تھا اس کے بعد آپ کے برصغیر واپسی کا تاریخ میں حوالہ نہیں ملتا اور آپ 1945 یعنی اپنی وفات تک آسٹریلیا میں ہی مقیم رہے اور باوجود پیرانہ سالی اور ضعف کے ایک پرجوش داعی اللہ کی حیثیت سے آسٹریلیا میں اسلام اور احمدیت کا نور پھیلاتے رہے۔

**یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جس آقا(حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ) نے انہیں آسٹریلیا لوٹنے کا ارشاد فرمایا تھا وہ خود بھی اپنے آقا حضرت مسیح موعودؑ کے ارشاد پر ہمیشہ کے لیے قادیان کے ہو کر رہ گئے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس روز کے بعد بھیرہ کا خیال بھی ہمارے دل میں نہیں آیا۔ چنانچہ اپنے آقا کے ارشاد اور پھر اسی کی سنت پر حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کو بھی عمل کرنے کی توفیق ملی اور اطاعت کے جو درس آپ نے اپنے آقا سے سیکھے تھے ان پر عمل کر کے دکھایا اور تا وفات اس براعظم میں اللہ تعالیٰ کی توحید، محمد مصطفی، قرآن اور مسیح الزماں مہدیء موعودؑ کا پیغام پہنچانے کے لیے کوشاں رہے۔**

## مکرم شادی خان صاحب کی آسٹریلیا آمد اور قبولِ احمدیت

مکرم شادی خان صاحب بھی اُن ابتدائی احمدیوں میں شامل ہیں جو بیسویں صدی کے آغاز میں آسٹریلیا تشریف لائے اور اُن کو اور اُن کی نسلوں کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ یہ آسٹریلیا کا وہ پرانا خاندان ہے جس میں تقریباً ایک صدی سے احمدیت قائم ہے۔ الحمدللہ۔ اور احمدیت کا نور ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتا جا رہا ہے۔ ان میں مکرم شادی خان صاحب کے بیٹے مکرم عبد الغفار خان صاحب کو خاص طور پر مسجد بیت الہدیٰ کی جگہ خریدنے اور اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے 1983 اور 1989 کے دوروں کے دوران غیر معمولی خدمت کی توفیق ملی۔ مکرم شادی خان صاحب کے والد عدالت خان صاحب 1890 کی دھائی میں جالندھر کے قریب گاؤں ''گُڑا چُوڑ'' سے چند دوستوں کے ساتھ ترقی کے مواقع کی تلاش میں آسٹریلیا آئے۔ اور اسوقت نیو ساؤتھ ویلز میں ولو گانگ (Wollogong) کے پاس اترے اور پھر زیادہ تر سڈنی اور اس کے ارد گرد کے علاقے میں ہی رہے۔ پھر یہیں نیو ساؤتھ ویلز میں کاروبار کرتے رہے۔ اُن کی فیملی ''گُڑا چُوڑ'' میں ہی تھی۔ اُن سے ملنے کے لیے کچھ عرصہ کے بعد واپس جایا کرتے تھے۔ مکرم شادی خان صاحب 1900 میں پیدا ہوئے اور 1912 میں جب آپ 12 سال کے تھے آپ کے والد صاحب آپ کو آسٹریلیا لے آئے اور اسی طرح آپ کے والد صاحب آپ کے دیگر بھائیوں اور بعض دیگر رشتہ داروں کو بھی آسٹریلیا بلانے میں کامیاب ہو گئے۔ مکرم شادی خان صاحب 1917 میں اپنے وطن واپس لوٹے اور کچھ عرصہ اپنی دو پھوپھیوں کے ساتھ رہے جو وہاں موجود ایک احمدی کی تبلیغ کے نتیجے میں احمدی ہو چکی تھیں۔ آپ نے بھی کچھ عرصہ وہاں رہ کر نماز وغیرہ سیکھی اور 1917 میں آپ نے بیعت کر لی۔ جب آپکے والد کو پتہ چلا تو سخت ناراض ہوئے اور آپ کا بائیکاٹ کر دیا۔ جائیداد سے بے دخل کر دیا اور تمام مراعات ختم کر دیں۔ بہر حال آپ کچھ عرصہ بعد آسٹریلیا آئے اور اس کے بعد آپ اپنے آبائی گاؤں آتے جاتے رہے۔ شادی کے بعد آپ کے بیوی بچے برصغیر میں ہی رہے۔ آسٹریلیا میں اسوقت آپ نیو ساؤتھ ویلز میں ایک آسٹریلوی کے ساتھ آئس فیکٹری کے مالک تھے۔ 1944 میں آپ کی اہلیہ کی وفات

ہو گئی۔ چونکہ بچے چھوٹے تھے لہذا اپنا کاروبار بیچ کر ہندوستان واپس چلے گئے۔ پاکستان کے قیام کے وقت آپ کی جائیداد اور مال ومتاع وغیرہ لوٹ لی گئی اور آپ اپنے بچوں اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ پاکستان میں ساہیوال کے پاس ایک گاؤں میں سکونت پذیر ہوئے۔ لیکن 1952 میں اپنے بچوں کو لیکر مستقل طور پر دوبارہ آسٹریلیا آباد ہو گئے۔ اس دوران آپ نے دوسری شادی بھی کی۔ چونکہ آپ کے بچے غیر احمدی رشتہ داروں کے اثر تلے پلے بڑھے اس لیے ان میں سے کچھ احمدیت سے دور ہو گئے لیکن آپ کے تین بچے مکرم عبد الغفار خان صاحب، مبارکہ خان صاحبہ، صادقہ خان صاحبہ الحمدللہ احمدی ہیں۔ مکرم شادی خان صاحب ایک مخلص احمدی تھے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ مکرم مولانا دوست محمد شاہد صاحب نے اپنے مضمون میں 1950 کی دہائی میں جن احمدیوں کا آسٹریلیا میں ذکر کیا ہے ان میں شادی خان صاحب بھی شامل ہیں۔ اسی طرح مکرم شکیل احمد منیر صاحب (سابق امیر و مشنری جماعت احمدیہ آسٹریلیا) نے اپنے مضمون میں آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ روزنامہ الفضل کے باقاعدہ خریدار تھے اور 1974 میں جب آپکی وفات ہوئی تو آپ اپنا چندہ وصیت آئندہ 10 سال کے لیے پہلے ہی ادا کر چکے تھے۔ دسمبر 1974 میں آپ کی وفات ہوئی اور آپ کے جسدِ خاکی کو تدفین کے لیے پاکستان لے جایا گیا اور ساہیوال کے قریب اپنے آبائی گاؤں میں آپ کی تدفین ہوئی۔[48][49][50]

اس طرح مکرم شادی خان صاحب نیو ساؤتھ ویلز میں آباد ہونے والے پہلے احمدی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں کو بھی اخلاص و وفا میں بڑھاتا چلا جائے اور قیامت تک احمدیت اس خاندان میں قائم رکھے۔ آمین۔

## مکرم علی بہادر خان صاحب

اُن ابتدائی احمدیوں میں سے جو بیسویں صدی کے آغاز میں آسٹریلیا تشریف لائے ایک احمدی مکرم علی بہادر خان صاحب بھی تھے۔ مولانا دوست محمد شاہد صاحب اپنے مضمون میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں

"1929-30 کے جماعتی لٹریچر سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کے علاوہ دو اور بزرگ علی بہادر صاحب اور شیر محمد صاحب بھی آسٹریلیا پہنچ چکے تھے اور اشاعت احمدیت میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تھا۔ مکرم علی بہادر صاحب برسبن، کوئنزلینڈ (Brisbane, Queensland) کے شہر میں رہتے تھے۔ اُن کی تبلیغ سے ایک نو مسلم بھی داخلِ سلسلہ ہوا جس کا اسلامی نام مسٹر رشید برڈر کھا گیا" [51]

جبکہ مبلغ سلسلہ مکرم قمر داؤد کھوکھر صاحب اپنے ایک مکتوب بنام محمود احمد شاہد صاحب امیر و مشنری انچارج جماعت احمدیہ آسٹریلیا بتاریخ 7 جنوری 2002 میں ابتدائی احمدیوں کے بارے میں بیان کرتے ہوئے علی بہادر صاحب کے بارے میں لکھتے

ہیں[52]

"علاوہ ازیں برسبن میں بھی ایک صحابی آئے تھے حضرت ملک علی بہادر خان صاحب"

مکرم علی بہادر خان صاحب کے بارے میں مزید تحقیق کرنے کے بعد یہی پتہ چلتا ہے کہ آپ انیسویں صدی کے آخر یا بیسویں صدی کے آغاز ہی میں آسٹریلیا تشریف لائے تھے۔ اسوقت کے کوئنزلینڈ (Queensland) گورنمنٹ کے شادی، پیدائش اور وفات کے ریکارڈز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکی شادی محترمہ مارگریٹ ویلس Margaret Willis نامی ایک عورت سے ہوئی جن سے آپ کی اولاد میں دو بیٹیوں بی بی خاتون خان صاحبہ اور بی بی پاشا خان صاحبہ کا ذکر ملتا ہے۔ بی بی خاتون خان صاحبہ کی شادی 1929 میں فتح گل صاحب سے جبکہ بی بی پاشا صاحبہ کی شادی 1930 میں ریجنالڈ جیمز لسک Reginald James Lusk صاحب سے ہوئی۔ اسی طرح ریکارڈ میں آپ کے ایک بیٹے ایوب علی بہادر خان صاحب کا بھی ذکر ملتا ہے جن کی شادی 1920 میں میرانڈا ایملی رائیلی Miranda Emily Raley صاحبہ سے ہوئی۔ ایوب بہادر خان صاحب 23 فروری 1900 کو برسبن میں پیدا ہوئے۔ [53]

علی بہادر خان صاحب اور ایوب بہادر خان صاحب کے بارے میں ایک اور حوالہ 15 فروری 1929 کے برسبن کے ایک اخبار میں ملتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی میٹرس Matress کی فیکٹری تھی اس کے بارے میں لکھا ہے

"Owned by Ally Bahadur Khan and Ayoub Ally B. Khan, trading as A.B.Khan and son..[54]

آپ کی فیکٹری کا ایڈریس گالوے سٹریٹ گرین سلوپس Galway St, Green Slopes لکھا ہے جبکہ رہائش کا ایڈریس Logan Road Holland Park لکھا ہوا ملتا ہے۔ ہولینڈ پارک وہ علاقہ ہے جہاں 1908 میں مسلمانوں نے کوئنزلینڈ کی پہلی محمڈن مسجد کی تعمیر کی تھی۔ گمان غالب ہے کہ مکرم علی بہادر خان صاحب نے بھی اُس مسجد کی تعمیر وغیرہ میں حصہ لیا ہو گا۔ لیکن اس سلسلے میں فی الحال کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں ہو سکا۔ 2008 میں اس مسجد کے 100 سال پورے ہونے پر اسکی 100 سالہ تاریخ پر مشتمل ایک مختصر کتاب شائع کی گئی ہے اس میں جن چند پرانے مسلمان خاندانوں کا ذکر ہے کہ وہ 1920-30 کی دہائی یا اسوقت اس علاقے میں رہتے تھے ان میں "علی خان اور ان کی فیملی" کا نام بھی آتا ہے۔[55] اب اس سے مراد علی بہادر خان صاحب ہی ہیں یا کوئی اور، حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔

بہر حال جیسا کہ مولانا دوست محمد شاہد صاحب کے مضمون سے ظاہر ہے کہ آپ ایک فدائی احمدی تھے اور تبلیغ احمدیت میں سرگرم تھے۔ آپ کوئنزلینڈ کے پہلے احمدی تھے اور آپ نے نصف صدی سے زائد عرصہ وہاں گذارا اور اس دوران تاریخ میں کسی اور احمدی کی کوئنزلینڈ آمد کا تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن اتنا لمبا عرصہ آپ نے اپنے دل میں احمدیت کا دیا جلائے رکھا اور مرتے وقت بھی اپنی قبر کی پیشانی پر اپنی محبت کی یہ داستان رقم کردی اور آپ کی قبر کا کتبہ ہی تھا جس کی دریافت ایک دفعہ اتفاقی طور پر ہوئی اور کوئنزلینڈ (Queensland) کی سرزمین پر آپ کی موجودگی کا پتہ چلا۔ چنانچہ مکرم ڈاکٹر ریاض اکبر صاحب، محترم محمود احمد شاہد امیر و مشنری انچارج جماعت احمدیہ آسٹریلیا کو اپنے مکتوب 10 جنوری 2000ء میں لکھتے ہیں کہ برسبن کے صدر محترم عبداللطیف مقبول صاحب ایک روز ماؤنٹ گراویٹ (Mount Grawatt) قبرستان کے مسلم حصے میں تھے۔ جہاں آپ کو قبروں پر احمدی مسلم (Ahmadiyya Muslim) لکھا نظر آیا جو کہ بعد میں دیگر احمدی دوستوں کو بھی دکھایا گیا۔ یہ دونوں قبریں ایک دوسرے کے ساتھ اور ایک جیسی ہیں اور ان دونوں قبروں پر مندرجہ ذیل الفاظ کندہ ہیں

نوٹس خاکسار نے ہولینڈ پارک کی تاریخ مرتب کرنے والے صاحب کو ای میل کی تھی کہ شاید علی بہادر خان صاحب کے متلق کچھ مزید علم ہو۔ ان کو تو علم نہیں تھا لیکن انہوں نے خاکسار کی درخواست تاریخی کمیٹی کو فارورڈ کر دی تھی اور ان کی ویب سائٹ پر بھی میری درخواست موجود ہے لیکن تاحال اُن کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔

علی بہادر خان صاحب کے بارے میں مرکز سے معلومات حاصل کرنی چاہیے نیز یہ بھی پتہ چلانا ہے کہ آیا علی بہادر خان صاحب اور حسن موسیٰ خان صاحبؓ کا کبھی رابطہ ہوا یا علی بہادر خان صاحب اپنے طور پر مرکز رابطہ کرتے رہے۔

اگر مکرم علی بہادر خان صاحب آسٹریلیا تشریف لانے سے قبل بیعت کر چکے تھے جیسا کہ ریکارڈ کے مطابق وہ صحابی تھے تو اُس لحاظ سے آسٹریلیا کے پہلے احمدی وہ بنتے ہیں لیکن یہ محض ایک مفروضہ ہے اور اس کے بارے میں حتمی رائے مرکزی ریکارڈ دیکھ کر کی جاسکتی ہے۔

Allah O Akbar

God Greatest of All

A.B.Khan

Ahmadiyya Muslim

Died 13th May 1955

Aged 83 Years

دوسری قبر علی بہادر خان صاحب کی اہلیہ محترم مارگریٹ خان صاحبہ کی ہے

Allah o Akbar

God Greatest of All

Margaret Khan

Ahmadiyya Muslim

Died 12th February 1948

Aged 70 Years[56]

ماؤنٹ گراویٹ قبرستان میں آپ کی قبر کی جگہ درج ذیل ہے

Location MON, Portion 2A, Section 2 and Allotment 110

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرتا چلا جائے جو اس دور دراز علاقے میں اپنے ایمان کی حفاظت کرتے اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ (امین اللھم امین)

## حوالہ جات

[1] - الفضل 29 ستمبر 1983 صفحہ نمبر 4

[2]. Islamism in Australia by Hadhrat M. Hasan Musakhan ra P.2

[3] - تاریخ جہانی و مخزن افغانی اردو ترجمہ ص 415-417 شائع کردہ مرکزی اردو بورڈ گلبرگ لاہور۔ بحوالہ الفضل 29 ستمبر 1983 صفحہ نمبر 4

[4] - تاریخ ہزارہ از ڈاکٹر شیر بہادر خان صفحہ 264 ناشر دارالشفاء ایبٹ آباد بحوالہ الفضل 29 ستمبر 1983 صفحہ نمبر 4

[5]. Islamism in Australia by Hadhrat M. Hasan Musakhan ra P.2

[6]. Tin Mosques & Ghantowns, Christine Stevens; Oxford University Press Australia 1989. P.84

[7]. Encyclopedia of Religion in Australia P.441

[8]. Australian Muslim Cameleers Pioneers of the Inland 1860s-1930s by Philip Jones Anna Kerrary. P.138

[9]. Tin Mosques & Ghantowns, Christine Stevens; Oxford University Press Australia 1989. P.192

[10]. www.islam.iinet.au/channel/gratwar.html (accessed 18 feb 2013)

[11]. Cameleers.net/ Page_id=239

[12]. Tin Mosques & Ghantowns, Christine Stevens; Oxford University Press Australia 1989. P.160

[13] - الفضل 29 ستمبر 1983 صفحہ نمبر 4

[14] - وصیت ریکارڈ انڈکس 9 حسن موصی لائبریری نمبر 14

[15]

[16] - خطباتِ مسرور۔ خطبہ بیان فرمودہ 14 اپریل 2000

[17]. The Hatred Protector by Lindsay Artley, P.453

[18]. How India Wrought for freedom, 19th session Madras 1903

[19] - تاریخ احمدیت جلد 2 صفحہ 339-340

[20] - ملفوظات جلد نمبر 3 صفحہ 445-452

[21]. The Argus Melbourne-Tue, 5 July 1904

[22]. Review of Religion, April 1906

[23]. The Muslim Sunrise, 1922 Issue 4

[24]. The Muslim Sunrise, 1922 Issue 4

[25]. USA Census Data 1930 using Ancestory.com (website)

[26]. Tin Mosques & Ghantowns, Christine Stevens; Oxford University Press Australia 1989. P.190

[27]. Tin Mosques & Ghantowns, Christine Stevens; Oxford University Press Australia 1989. P.190

[28]. History of Islamisam in Australia by Hadhrat M. Hasan Musakhan ra

[29] - وصیت ریکارڈ۔ انڈکس 9، حسن موسیٰ خان لائبریری نمبر 21

[30] -وصیت ریکارڈ۔ انڈکس 9، حسن موسیٰ خان لائبریری

[31] - وصیت ریکارڈ۔ انڈکس 9، حسن موسیٰ خان لائبریری نمبر 20

[32] - وصیت ریکارڈ۔ انڈکس 9، حسن موسیٰ خان لائبریری نمبر 16

[33] - خطبات مسرور، خطبہ بیان فرمودہ 14 اپریل 2006

[34]

[35] - تاریخ احمدیت جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 528

[36] - الفضل 29 ستمبر 1983 صفحہ نمبر 4

[37] - عکس خط جو مکرم ڈاکٹر مشتاق خان صاحب سے لیا گیا۔ ڈاکٹر مشتاق خان صاحب حضرت صوفی موسیٰ خان صاحبؓ کے بھتیجے ہیں۔

[38] - الفضل 29 ستمبر 1983 صفحہ نمبر 4

[39] - الفضل 29 ستمبر 1983 صفحہ نمبر 5

[40] - روزنامہ الفضل یکم جنوری 2004 صفحہ نمبر 4

[41] . Tin Mosques & Ghantowns, Christine Stevens; Oxford University Press Australia 1989. P.85

[42] - الفضل 29 ستمبر 1983 صفحہ نمبر 5

[43] - الفضل 29 ستمبر 1983 صفحہ نمبر 5

[44] - الفضل 29 ستمبر 1983 صفحہ نمبر 5

[45] - عکس خط جو مکرم ڈاکٹر مشتاق صاحب نے دیا تھا۔

[46] - الفضل 29 ستمبر 1983 صفحہ نمبر 5

[47] - الفضل 29 ستمبر 1983 صفحہ نمبر 5

[48] - انٹرویو مکرم عبد الغفار خان صاحب

[49] - مختصر تاریخ احمدیت جو مکرم شکیل احمد منیر صاحب نے لکھی اور حسن موسیٰ خان لائبریری میں موجود ہے۔

[50] - الفضل 29 ستمبر 1983 صفحہ نمبر 5

[51] - الفضل 29 ستمبر 1983 صفحہ نمبر 5

[52] - مکتوب مکرم قمر داؤد کھوکھر صاحب مبلغ سلسلہ بنام مکرم محمود احمد شاہد صاحب امیر و مشنری انچارج جماعت احمدیہ آسٹریلیا، بتاریخ 7 جنوری 2002

[53]. Queensland Birth, Death & Marriage Records

[54]. Trove.nla.gov.au (newspaper 15-02-1929)

[55]. 100 years of History, Holland Park Mosque (1908-2008) P-23

[56] - مکتوب مکرم ڈاکٹر ریاض اکبر صاحب بنام مکرم محمود احمد شاہد صاحب امیر و مشنری انچارج جماعت احمدیہ آسٹریلیا۔

حصہ دوم

## حضرت حسن موسیٰ خان صاحبؓ کے تبلیغی دورے اور مختلف ممالک کے سفیروں، سیاستدانوں اور دیگر اہل علم کو لکھے گئے تبلیغی خطوط

ہندوستان سے آسٹریلیا واپسی پر حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ ایک نئے عزم اور ولولے کے ساتھ تبلیغ و اشاعتِ احمدیت یعنی حقیقی اسلام میں مشغول ہو گئے۔ اس زمانے میں آپ نے آسٹریلیا کے مختلف علاقوں کے دورے کیے۔ چنانچہ پہلے آپ ویسٹرن آسٹریلیا کے مختلف علاقوں میں گئے اور بعد ازاں ساؤتھ آسٹریلیا کے مختلف قصبوں سے ہوتے ہوئے ایڈیلیڈ پہنچے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ آپ کے ان دوروں کا پتہ اُن تبلیغی خطوط سے بھی ملتا ہے جو آپ نے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والوں کو لکھے۔ جب بھی کوئی سفارت کار یا وفد آتا تو آپ ویسٹرن آسٹریلیا میں رہنے والے مسلمانوں کی طرف سے اس کو خوش آمدید کہتے اور ساتھ ہی سلسلہ احمدیہ کا تعارف کرواتے اور پمفلٹس اور جو کتابیں وغیرہ مہیا ہوتیں بھجوا دیتے۔ اسی طرح اگر کوئی سیاستدان کسی عہدے کے لیے منتخب کیا جاتا تو اسے مبارکباد دیتے اور ساتھ ہی لکھ دیتے کہ میں آپ کو سلسلہ احمدیہ کی کچھ کتابیں، پمفلٹس وغیرہ بھیج رہا ہوں۔ آپ نے نہ صرف عام لوگوں کو تبلیغ کی بلکہ مختلف خطوط جو آپ نے لکھے اور جن کے جواب آپ کو ملے ان کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ آپ کی تبلیغ کا دائرہ گورنر اور اسی طرح شاہی خاندان کے افراد تک بھی پھیلا ہوا تھا۔ اگر برطانوی شاہی خاندان میں خوشی کی تقریب ہوتی تو آپ مبارکباد پیش کر رہے ہیں اور اگر غم کا موقع ہے تو افسوس کا اظہار کر رہے ہیں۔ آپ کے تبلیغی خطوط کے حوالے سے ایک خط کا بطور نمونہ ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا۔ جو کہ آپ نے فرانسیسی وفد کو 16 ستمبر 1929 کو لکھا۔ آپ نے اس خط میں فرانسیسی وفد کو ویسٹرن آسٹریلیا میں بسنے والے تمام مسلمانوں کی طرف سے خوش آمدید کہا اور فرانس میں بننے والی مسجد جس کا سنگ بنیاد 1922 میں رکھا گیا تھا اسکی اجازت دینے پر بھی فرانسیسی حکومت کا شکریہ ادا کیا۔ اسی کا ذکر کرتے ہوئے آپ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں کہ فرانسیسی قوم کی مسجد بنانے کی اجازت اس کی اعلیٰ ظرفی اور فراخدلی پر دلالت کرتی ہے جو اسے ان دیگر یورپی اقوام سے نمایاں طور پر الگ کرتی ہے جو تعصب اور تنگ نظری کے باعث مسلمانوں کو اپنے رب کی عبادت کرنے کے لیے اپنے ملکوں میں مسجد بنانے کی اجازت نہیں دیتے حالانکہ (مساجد تو اس رب کی عبادت کے بنائی جاتی ہیں) جس نے زمین اور آسمانوں کو بنایا ہے جو مشرق کا بھی رب ہے اور مغرب کا بھی، جو ساری مخلوق کو اسکی نسل، رنگ،

قوم یا زبان میں فرق کے بغیر رزق عطا فرماتا ہے۔ اسی خط میں آپ نے مزید جماعت احمدیہ سے اپنے تعلق اور حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے اس مسجد کے 1924 کے دورے کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے لکھا

As a representative of the Ahmadia Community of Qadian, India, I beg further " leave to welcome you and all officers and men to this state and to convey to you expressions of delight and gratitude of the Ahmadia people for the cordial reception awarded to their present Holy leader, when returning from London, he visited Paris in 1924 to hold a religious meeting and render the first prayers and worship on the completion of mosque in Paris. With prayers, and best wishes for the peace, progress, prosperity and happiness of your nation and country.

I beg to remain, sir,

Your most obedient and humble servant,

M.H. Musha Khan [1]

حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ نہ صرف آسٹریلیا بلکہ دیگر بیرونی ممالک میں بھی جہاں تک ممکن ہوتا تبلیغی خطوط لکھا کرتے تھے۔ ساؤتھ افریقہ اس زمانے میں ایک برٹش کالونی تھی وہاں بھی آپ نے اپنے مضامین اور جرائد وغیرہ بھجوائے۔ چنانچہ کیپ ٹاؤن ساؤتھ افریقہ کے ایک اخبار "ڈی مسلم آوٹ لک (The Muslim Outlook) " کے ایڈیٹر نے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا

"Very many thanks for the journels and literary contribution received from M.H. Musakhan, Perth Australia" [2]

اسی طرح نیویارک کے ایک اخبار "ڈی مسلم ورلڈ (The Muslim World) " سے بھی آپ کی خط وکتابت کا ذکر ملتا ہے اور آپ اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات انہیں بھی بھجوایا کرتے تھے۔

اسی زمانہ میں نیویارک کی ایک کمپنی "ڈی مشنری ریویو پبلشنگ (The Missionary Review Publishing) کی

طرف سے شائع شدہ کسی مضمون میں عیسائیوں کو خاص طور پر آنحضورؐ کے خلاف نازیبا الفاظ اور گستاخانہ کلمات کہنے سے باز رکھنے کی تلقین کی گئی تھی اس مضمون پر بھی حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ نے آسٹریلیا کے تمام مسلمانوں کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ عیسائیوں کو یہ بات سمجھ آجانی چاہیے کہ اسلام اور بانیٔ اسلام کے متعلق کذب بیانی کر کے وہ عیسائیت کی کوئی خدمت نہیں کر رہے [3].

اسی طرح آپ نے مصر کے شہزادہ ہز ہائنس پرنس محمد علی پاشا کو پرتھ کی مسجد کی تاریخ بھجوائی تو اس کے جواب میں شہزادہ کے پرائیویٹ سیکرٹری نے آپ کو M.H. Musakha, Ahmadi (محمد حسن موسیٰ خان، احمدی) کر کے مخاطب کیا۔ الغرض آپ کو تبلیغ کی ایک دھن تھی جو لگی ہوئی تھی اور جیسے بھی اور جہاں بھی آپ کو تبلیغ کا موقع ملتا آپ اسے ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ مکرم مولانا دوست محمد شاہد صاحب آپ کے اسی غیر معمولی شوقِ تبلیغ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپنے مضمون میں لکھتے ہیں

"1914 سے (اپنی وفات تک) آپ نے جو شاندار تبلیغی خدمات سرانجام دیں ان کا مختصر خاکہ یہ ہے کہ آپ نے پرتھ، ایڈیلیڈ اور بروم میں خصوصاً اور آسٹریلیا کے باقی حصوں میں عموماً دورے کیے اور تبلیغ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ آپ کا بے پناہ جذبۂ تبلیغ جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ آپ نے کئی ایک رومن کیتھولک فرقہ کے پادریوں سے بھی گفتگو کی جب وہ وفاتِ مسیحؑ کے حالات سنتے تو دنگ رہ جاتے۔ آپ کی تبلیغ سے متعدد افراد سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ آسٹریلیا میں آباد مسلمانوں پر آپ کی شاندار خدمات کا گہرا اثر تھا اور وہ آپ کو اسلام کا مخلص خادم تسلیم کرتے تھے۔ آپ سینکڑوں تبلیغی خطوط ہر سال لکھتے اور اپنے خرچ پر ٹریکٹ اور کتابیں تقسیم کرتے۔ اشاعتِ لٹریچر میں ان کی امداد حضرت سیٹھ عبداللہ الہٰ دین صاحب حیدر آباد دکن فرمایا کرتے تھے۔ فجی کے بعض مسلمانوں سے بھی آپ کی تبلیغی خط و کتابت جاری رہی۔ فجی کے علاوہ آسٹریلیا کے مختلف شہروں اور جزیروں میں مقیم غیر احمدی دوستوں تک بھی بذریعہ خط و کتابت پیغام حق پہنچانا آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ اخبار الفضل، سن رائز (Sunrise) اور ریویو آف ریلیجنز (Review of Religions) قادیان سے اور رسالہ دی مسلم سن رائز (The Muslim Sunrise) امریکہ سے باقاعدہ آپ کے پاس آسٹریلیا آتے تھے۔ [4]"

جیمز جُپ (James Jupp) اپنی کتاب انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن ان آسٹریلیا (Encyclopedia of Religion in Australia) میں حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی تبلیغی سرگرمیوں کے بارے میں لکھتا ہے

"Musakhan took his Ahmadia Missionary activities seriously; he distributed Ahmadia books to non-Muslims as well as donating them to the Perth and Adelaide mosques"[35]

## ویمبلے کانفرنس لنڈن(1924)اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی اُس میں شرکت کی خبر آسٹریلوی اخبار میں

ویمبلے کانفرنس جو لندن میں ستمبر 1924 کو منعقد ہوئی، تاریخ احمدیت میں اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بنفسِ نفیس اس کانفرنس میں شرکت کرنے کے لیے لنڈن تشریف لے گئے اور یہ کسی بھی خلیفۃ المسیح کا ہندوستان سے باہر پہلا باقاعدہ دورہ تھا۔ اس کانفرنس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا ایک مضمون حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ نے پڑھا جو بعد میں "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" کے نام سے کتابی شکل میں بھی شائع ہوا۔ اس کانفرنس اور اس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی آمد کے متعلق سوموار 22 ستمبر 1924 کو ایڈیلیڈ کے ایک اخبار "ڈی رجسٹر" (The Register) کے صفحہ نمبر 12 پر Religions of the Empire کی سرخی کے تحت مندرجہ ذیل خبر شائع ہوئی

> "When, on September 22, The Confrence Hall opens at Wembley, a confrence of different character from those which are now being held will be commenced. It will be something of a novelity for Britain visitors to hear from the lecturers expositions of the religions faiths of which very little is popularly known..... The following day Mohamedans are to have the platform, and Khawaja Kamal ud Din is to speak for the orthodox Suna, and sheikh Dojally is to speak for the Shiya. The Kalifat al Masih, the head of the Ahmadiyya Movement in Islam, is coming in person from India. This lecture should be of great interest. We understand it represents what might be called the Modernist Movement in Islam...[5]

## آنحضرتؐ کی شان میں کہے گئے گستاخانہ کلمات اور کارٹونز کے خلاف حضرت حسن موسیٰ خانؓ کا شدید احتجاج

غیر مسلم متعصبین کا اسلام، قرآن کریم اور آنحضورؐ کے خلاف بیہودہ گوئی کرنا، بانی اسلام، سرورِ کائنات، فخر موجودات

حضرت محمد مصطفیٰؐ کی عزت پر حملے کرنا اور کارٹونز وغیرہ بنا کر مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کرنا کوئی نیا مشغلہ نہیں بلکہ اس سے قبل بھی یہ مذموم کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کے دور میں آسٹریلیا میں بھی ایسے کئی واقعات تاریخ میں ملتے ہیں جب مسلمانوں کی دل آزاری کے لیے ایسے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے گئے۔ اور اس وقت حضرت موسیٰ خان صاحبؓ نے مسلمانوں کی طرف سے ان متعصبین کو ایسے دندان شکن جوابات دیے کہ بعد میں آنے والے محققین نے، جن میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں، آپ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ چنانچہ آپ کی آنحضرتؐ کے لیے غیرت کا ایک واقعہ تاریخ میں یوں ملتا ہے کہ "ڈی ویسٹرن میل (The Western Mail)" میں کرسمس نمبر 1924 کے صفحہ نمبر 13 پر بونز لمیٹڈ (Boan Limited) کی طرف سے آنحضورؐ کی شان میں ایک بیہودہ کارٹون اور اسکے ساتھ یہ سطر شائع ہوئی

"The mountain would not go to Mahomet, so Mahomet must, perforce go to the mountain"

اس گستاخی پر اس وقت بھی آنحضورؐ کے عاشقِ صادق سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے ایک غلام کو اس بیہودہ گوئی کا جواب دینے اور اس کے خلاف آواز اٹھانے کی توفیق ملی۔ چنانچہ حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ نے اس اخبار کے ایڈیٹر کو لکھا کہ اس اشتہار سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات بری طرح مجروح ہوئے ہیں اور مزید یہ کہ میں مؤدبانہ گذارش کرتا ہوں کہ وہ آنحضورؐ کے متعلق ایسے گستاخانہ الفاظ استعمال کرنے سے گریز کریں۔ (ہم مسلمان تو سب انبیاء کی عزت کرتے ہیں) لیکن اگر عیسائیوں کو یہ الفاظ استعمال کرنے ہیں تو وہ حضرت عیسیٰؑ کے لیے کر سکتے ہیں کیونکہ آنحضورؐ نے تو نہیں لیکن حضرت عیسیٰؑ نے ضرور یہ فرمایا تھا کہ اگر تم میں رائی کے برابر بھی ایمان ہے تو تم پہاڑ کو ہلا سکتے ہو۔ چنانچہ بائبل میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں کو کہا

"If ye shall say into the mountain, be thou removed and be thou cast into the sea, it shall be don" St. Mathew, Chapter. 21, V.21

یہ حوالہ دینے کے بعد آپؓ نے مزید لکھا کہ "بدقسمتی سے بائبل کے مطالعہ سے کہیں پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عیسیٰؑ یا ان کے حواریوں نے کبھی اپنی قوت ایمانی سے پہاڑوں کو ہلایا ہو۔ ہاں! اس زمانہ میں عیسائی پہاڑوں کو ضرور ہلاتے اور توڑتے

ہیں، اور وہ بارود سے، نہ کہ اپنی قوت ایمانی سے "

چنانچہ اس خط کے جواب میں بونز لمیٹڈ (Boans Limited) کے مینیجنگ ڈائریکٹر مسٹر جے۔ ڈیون پورٹ (J. Devonport) کا معذرت کا خط آپ کو موصول ہوا جس میں انہوں نے مسلمانوں کو اس واقعہ سے جو تکلیف پہنچی ہے اس پر افسوس کا اظہار کیا۔ چنانچہ اپنے خط میں انہوں نے لکھا

"We must express out regret that the religious feelings of Mohammadans have been injured... We commend you for the very spirit in which you letter is written, and assume you there will not be a repitition of the advertisement."[6]

جیمز جُپ (James Jupp) اپنی کتاب انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن ان آسٹریلیا (Encyclopedia of Religion in Australia) میں اسی واقعہ کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے

**Cartoon Complaints**

Educated Muslims were at pain to manage any negative images that might impinge on the dignity of the Islam or its founding prophet. Perth Mosque leader, Musakhan wrote to the editor in 1924, complaining that certain advertisements "deeply injure the religious feelings of the Moslems". They are respectfully requested "not to offend the Mohammadans by speaking derisivly or using insulting phrases, about their Holy Prophet, Mohammad". The department store Boons Ltd had used the Phrase the mountain would not go to Mohamet so Mohamet must, perforce to to the mountain" in a 1924 newspaper advertisement. Boons responded swiftly The cartoon of Mohammed was "not intended" to insult religious feelings of any denomination, let alone the Mohammedons, with whom our business relations have been very cordial" It was a fulsome apology, assuring

them that " the phrase is a very old one, and was simply used as a figure of speech"

Boans expressed its regret " [7]

## "مسلمانوں کی جنت تلوار کے سائے میں ہے"۔ اسلام کے خلاف اعتراض اور حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کا دندان شکن جواب

آنحضورؐ کے خلاف نازیبا الفاظ اور کارٹونز شائع کرنے کے قریباً ڈیڑھ سال بعد اُسی اخبار " ڈی ویسٹرن میل ( The Western Mail ) " پرتھ نے 29 اپریل 1926 کو اسلام کے خلاف ایک دلآزار مضمون اس عنون سے شائع کیا۔

"Islam's paradise lies in the shadow of the sword"

اس مضمون کے خلاف بھی حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ نے پرزور احتجاج کیا اور اسکا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ "اسلام کی اور قرآن کریم کی تعلیمات میں دین کے معاملے میں جبر کرنے کا شائبہ بھی نہیں ملتا۔ ہاں! آنحضورؐ کی احادیث میں یہ روایت بہر حال ضرور ملتی ہے کہ

Paradise lies at the feet of you mothers

جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

" دین (کے معاملے) میں کوئی جبر نہیں۔ یقیناً ہدایت گمراہی سے کھل کر نمایاں ہو چکی (سورۃ البقرۃ آیت 257)

آپ مزید لکھتے ہیں

یہ سادہ، پُراثر اور واضح تعلیم جاننے کے بعد بھی اسلام پر یہ اعتراض کرنا سراسر حماقت ہے کہ اسلام دین کے معاملے میں جبر کا حکم دیتا ہے۔ حالانکہ لفظ "اسلام" کا مطلب ہی سلامتی اور امن ہے اور اسلام یہی تعلیم دیتا ہے کہ

" Peace with God and Peace with man"

اسی طرح قرآن کریم میں سورۃ النحل آیت 125,126 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت کے ساتھ اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دے۔ اور اگر تم سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنی تم پر زیادتی کی گئی تھی"

قرآن کریم کی تعلیمات پیش کرنے کے بعد آپؓ عیسائیوں کی تعلیمات سے اس کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"مسلمانوں کے لیے یہ بات بہت حیرت انگیز ہے کہ جب وہ پڑھتے ہیں کہ عیسائیوں کا خدا جنہیں وہ "Prince of Peace (امن کا شہزادہ) قرار دیتے ہیں انہیں یہ کہتا ہے

"I come not to send peace, but the sword". Matt x:24

"Thing ye that I came to give peace on earth? I tell you, no" Luke XII, 51

The price of peace also ordered his disciples to sell their garments and buy swords. Luke xxii, 36

پھر آپؓ لکھتے ہیں

یہ سب پڑھکر اس بات پر کوئی حیرت نہیں ہوتی کیونکہ آج اس دور میں، " امن کے شہزادے" کے ماننے والے ان گنت وسائل، پیسے، وقت اور محنت صرف اور صرف انتہائی مہلک ہتھیار بنانے میں صَرف کر رہے ہیں۔ اس کا ثبوت ہمیں گذشتہ یورپی جنگ (جنگ عظیم اول) سے ملتا ہے۔ عیسائیوں کے بنائے ہوئے ان مہلک ہتھیاروں کے زخم، اسلام کی تلوار سے زیادہ گہرے اور دیرپا اثر رکھتے ہیں۔ مسلمانوں نے کبھی ایسے ہتھیار ایجاد کرنے کی کوشش نہیں کی جبکہ عیسائی امن، جنت نظیر معاشرہ اور تہذیب کے نام پر جنگ اور اس کے طریقوں پر ساری دنیا کے دیگر مذاہب سے سبقت لے گئے ہیں۔

آپ نے مزید لکھا کہ یہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ عیسائی جب بھی اسلام پر حملہ کرتے یا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اُس سے قبل وہ اپنے گریبان میں نہیں جھانکتے، انہیں اپنی آنکھ میں پڑا تنکا نظر نہیں آتا بلکہ وہ دوسروں میں عیب تلاش کرتے رہتے ہیں۔ ہم سب مسلمانوں کی یہ عاجزانہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی سچائی کی طرف راہنمائی فرمائے"[8]

اسلام کے اس دفاع پر بلال کلی لینڈ صاحب(Bilal Cleeland) جنہوں نے آسٹریلیا میں اسلام کی تاریخ پر کام کیا ہے آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"Over in Western Australia, Mohamed Hasan Musakhan was still in action, defending Islam from attack. The impact of the Great War upon his thinking, and probably that of many other Muslims of the time, was reflected in his response to an Islamophobic article in the "The Western Mail" in 1926. It carried an article stating that "Islam's paradise lies in the shadow of the sword". After quoting relevant verses from the Quran on the importance of tolerance and peace, Musakhan quoted war like passages from the Gospels according to Matthew and Luke, to which he attributed the bloodthirstiness of the Christian countries. He wrote of their huge investments in the production of weapons "for the destruction of human life and property", the evil nature of which had been demonstrated" by the last earth-shaking European war". He went on "The Christian weapons of destruction cut deeper and reach further than the sword of Islam. The Moslems never attempted to invent such deadly weapons of war. The Christian nations have surpassed all followers of other religions in the fighting ability in the name of peace, paradise and civilization. "He concluded with a widely held opinion amongst Muslims; "It is generally observed that Christians fail to see the beam in their own eyes whenever they attempt to attack or ridicule the religion or empire of Islam."

مزید حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کے احمدی ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"During the time, Musakhan himself had moved from mainstream Islam. In a letter to General Pau and the French Mission visiting Adelaide in 1918 he presents himself as spokesperson for the Muslim community and separately identifies himself as representing the Ahmadia Community. There is no evidence that the significance of the sectarian development was understood at the time by other Muslims in Australia."[9]

## پرتھ لائبریری کو کتب کا تحفہ

1927 میں رائل ہائنس ڈی ڈیوک اور ڈچس آف یورک (Royal Highness Duke and Duchess of York) ویسٹرن آسٹریلیا کے دورے پر آئے تو اس وقت اُن کی آمد پر حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ نے پرتھ لائبریری کو 3 کتب بطور تحفہ پیش کیں۔ ان میں سے ایک سندھی اور انگلش ڈکشنری تھی جبکہ دوسری "پشتو" زبان میں چند منتخب اشعار اور نثر پر مشتمل تھی۔ تیسری کتاب "فارسی" میں ایک مکتوب کی شکل میں تھی جو صحابی حضرت مسیح موعودؑ حضرت ابراہیم خان صاحبؓ (جو حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحب کے بڑے بھائی تھے) نے آپؓ کو لکھا تھا۔ یہ مکتوب آج بھی ویسٹرن آسٹریلیا کی پبلک لائبریری میں پڑا ہے۔ حضرت حسن موسیٰ خان صاحبؓ لائبریری کو یہ کتابیں تحفتاً ارسال کرتے ہوئے اس فارسی مضمون کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"The penmanship in the manuscript is of the best kind and of high skill"[10]

* خاکسار نے ڈاکٹر مطہر صاحب ویسٹرن آسٹریلیا سے یہ مضمون کاپی کر کے ارسال کرنے کی درخواست کی ہے تاکہ اس کی ایک کاپی حسن موسیٰ خان لائبریری میں رکھی جا سکے۔

## قرآن کریم-ایک معجزہ یا Untidy job

## قرآن کریم پر اعتراض اور حضرت حسن موسیٰ خان صاحبؓ کا شاندار دفاع

جیسا کہ قبل ازیں یہ ذکر گذر چکا ہے کہ اُس دور میں بھی آنحضور ﷺ کی ذاتِ بابرکات، اسلام اور قرآن کریم کو ہدفِ

تنقید بنایا جاتا تھا۔ چنانچہ یکم ستمبر 1927 کے "لائف (Life)" میگزین میں میلبورن کے ایک یورپین نژاد عیسائی مسٹر بروس برٹن (Mr Bruce Barton) کی طرف سے قرآن کریم کے خلاف ایک مضمون اس عنوان کے تحت شائع ہوا

"Miracle" or "untidy job"

Islam and Christianity. "Is Christianity the better"

قرآن کریم پر اعتراض کرتو ہوئے مسٹر بروس برٹن (Mr Bruce Barton) نے لکھا

"Its various passages are badly enough arranged and the book was really composed and assembled by his followers, and untidy job they made of it."

مزید برآں مسٹر بروس برٹن (Mr Bruce Barton) نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ بائبل کی تعلیم دیگر تمام کتب مقدسہ سے بہتر ہے۔

اس کا تفصیلی جواب حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ نے لکھا جس میں آپ نے عیسائیوں کو عموماً اور مسٹر برٹن کو خصوصیت سے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اگر ایک عیسائی اپنے مذہب یا الہامی کتاب بائبل کی تعلیمات سے مطمئن ہے تو ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ قرآن ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ دین (کے معاملے) میں کوئی جبر نہیں۔ لیکن مسٹر بروس برٹن نے قرآن کریم پر جو یہ اعتراض کیا ہے کہ قرآن کریم کے مختلف حصوں کو برے طریقے سے جوڑا گیا ہے وغیرہ، اس سے نہ صرف مسلمان بلکہ دنیا بھر کے مختلف غیر مسلم مفکر اور دانشور بھی مسٹر برٹن سے اتفاق نہیں کرتے۔ اس کے بعد حضرت حسن موسیٰ خان صاحبؓ نے انسائیکلوپیڈیا بریٹیکا (Encyclopaedia Britannica)، جاج سیل (Goerge Sale)، مارماڈیوک پک ہال (Marmaduke Pickthall)، بوس ورتھ سمتھ (Bosworth Smith)، جے ڈیون پورٹ (J. Davenport)، گوئٹے (Goethe) اور حضرت عمرؓ وغیرہ کے قرآن کریم کی عظمت اور اسکی الہامی اور پر اثر تعلیمات کے بارے میں مختلف حوالے درج کرتے ہوئے مسٹر برٹن سے کہا کہ مسٹر برٹن مکمل طور پر قرآن کریم کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ حق تو یہ تھا کہ مسٹر برٹن ہر طرح کے تعصب سے پاک ہو کر قرآن کریم کا مطالعہ کرتے جیسا کہ کارلائل (Carlyle)، گوئٹے (Goethe) اور دیگر مفکرین نے کیا ہے اور تب اس الہامی کتاب کے بارے میں اپنی رائے دیتے۔ کہ آیا یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی وحی ہے (جیسا کہ مسلمان یقین رکھتے ہیں) یا یہ آنحضورؐ کے

صحابہ کی جمع کی ہوئی ہے۔ تاریخ کے ایک طالبعلم کے لیے یہ بات اتنی اہم نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ بہر حال یہ ایک عالمگیر صداقت ہے کہ قرآن کریم ایک معجزہ اور نادرِ روز گار ہے اور اس روئے زمین پر قرآن کریم جیسی کوئی کتاب نہیں اور کسی بھی عالم یاماہر کے پاس طاقت نہیں کہ وہ اس جیسی کتاب کیا، اس کتاب کا ایک باب ہی بنا سکے۔ یہ قرآن کریم کا چیلنج ہے اور گذشتہ تیرہ(13)صدیوں میں آج تک کسی کو یہ ہمت نہیں ہوئی کہ اس چیلنج کو قبول کرے اور قرآن کریم کے مقابل پر کچھ لکھ سکے۔ آپ مزید حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"Rodwell's edition of Quran, English translation, contains the following remarks in its intereducation by Rev.G.Margoliouth "It would indeed by difficult to find another case in which there is such a complete identity between the litrary work and the mind of the man who produced it. to speak of the Quran is, therefore, pratically the same as speaking of Mohammed"

اسی طرح بعض اور حوالے دینے کے بعد حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ لکھتے ہیں کہ "لائف" کے قارئین یہ حوالے پڑھکر خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ قرآن ایک untidy job نہیں ہے۔ اس نے ساری دنیا میں بسنے والے مختلف لوگوں کے قلوب کو فتح کیا ہے اور ایسی فتح ایک معجزانہ خصوصیت کے نتیجے ہی میں ملتی ہے نہ کہ کسی تلوار یا دوسرے آہنی اوزار سے۔

"What comes from the heart , captivates others hearts."

پھر نہایت ہی خوبصورت درج ذیل الفاظ میں اپنے مضمون کو اس طرح ختم کرتے ہیں۔

"The Holy Koran claims that it confirms the previous truths ever revealed to any and every Divine prophet and Messenger sent down to any nation of the earth from time of Adan to the Advent of the Prophet Mohammaed. It resembles the honey gathered from all the devine flowers ever planted or grown in the Divine

Garden of all ancient people on earth. Consequently, the truths contained in the Koran are the very truths that were revealed and sent down from the Almight maker of earth and heavens from time to time to all tribes and nations of the world. The hostile christians confirm that clain of the (Holy) Koran when they suggest that the sacred Divine Book of Islam has forward many truths from the previous ancient religious including Jodaisan and Christianity[11].

## جماعت احمدیہ آسٹریلیا کا پہلا جلسہ

28 دسمبر 1928 کو جماعت احمدیہ آسٹریلیا کا پہلا جلسہ منعقد ہوا۔ مؤرخِ احمدیت مکرم مولانا دوست محمد شاہد صاحب تاریخ احمدیت جلد 5 میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

" آسٹریلیا میں 28 دسمبر 1928 کو جماعت احمدیہ کا پہلا جلسہ منعقد ہوا جس میں احمدیوں کے علاوہ دوسرے مسلمان بھی شامل ہوئے۔ صوفی محمد حسن موسیٰ خان صاحبؓ آنریری مبلغ نے حضرت مسیح موعودؑ کے دعاوی اور سلسلہ کے حالات سنائے۔ جس کا خدا کے فضل سے اچھا اثر ہوا۔ یہ جلسہ احمدیت کے لیے آسٹریلیا میں آئندہ جلسوں کے سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتا تھا"[12]

پس یہ آغاز تھا جو کہ آنحضورؐ کے عاشقِ صادق کے ایک غلام نے اپنے آقا کی اتباع میں اُسی تاریخ کو جلسہ منعقد کر کے کیا جب ہزاروں میل دور قادیان کی بستی میں جلسہ سالانہ کا آغاز ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عاجز بندے کی حقیر کوششوں اور نیک آرزؤں کو محبت کی نگاہ سے دیکھا اور آسٹریلیا میں جماعت احمدیہ کے باقاعدہ قیام کے بعد 1984 سے لیکر اب تک باقاعدگی سے اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ جلسہ سالانہ منعقد ہوتا چلا آرہا ہے۔ 1928 میں مٹھی بھر مخلصین کے مقابلے میں اب جلسہ سالانہ میں شاملین کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی ہے جس میں کئی ممالک کے نمائندے شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح سیاستدان، دیگر حکومتی اہلکار اور مختلف طبقہ ہائے فکر کی نمائندگی کرنے والے افراد بھی شرکت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ سلسلہ ہر سال ترقی پذیر ہے۔ الحمدللہ ثمہ الحمدللہ،

1928 کے جلسے کی یہ رپورٹ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس سے ہمیں پتہ چلتاہے کہ حضرت صوفی حسن موسیٰ خان

صاحبؓ کی تبلیغ سے کئی لوگ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو چکے تھے۔ لیکن ریکارڈ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے ان میں سے اکثر کے بارے میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

## محمد عالم قندھاری صاحب

ایک اور ابتدائی احمدی محمد عالم قندھاری صاحب ہیں جن کا تذکرہ مولانا دوست محمد شاہد صاحب کے مضمون میں یوں ملتا ہے

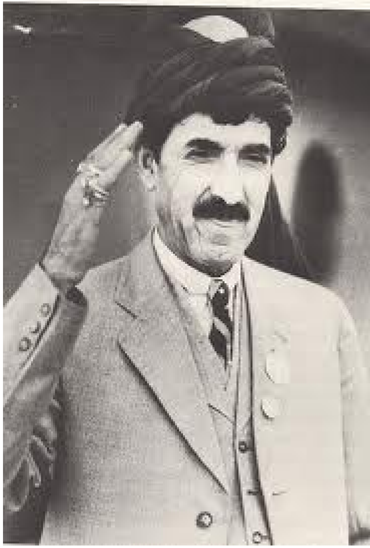
1931 ”میں ان حضرات کے علاوہ ڈاکٹر محمد عالم قندھاری صاحب کی تبلیغی سرگرمیوں کا بھی اضافہ ہوا جو پہلے اڈمئیر میں بودوباش رکھتے تھے اور پھر برسبن میں اشاعت سلسلہ کے لیے کوشاں ہو گئے تھے (رپورٹ صدر انجمن احمدیہ سال 32-33 صفحہ 164) “ [13]

محمد عالم قندھاری صاحب برسبن کی بجائے ایڈیلیڈ میں سکونت رکھتے تھے اور تقریباً نصف صدی سے زائد عرصہ وہاں گذارنے کے بعد وہیں آپ کی وفات ہوئی۔

محمد عالم قندھاری صاحب مسلمان افغان ساربانوں میں سے واحد افغان ہیں جن کے بارے میں ایک آسٹریلوی مصنفہ Madeliene Bronato نے سوانح عمری بھی لکھی ہے اور محمد عالم قندھاری صاحب ان معدودے چند افغان ساربانوں میں سے بھی ایک ہیں جن کا تذکرہ آسٹریلین بائیوگرافیز (Australian Biographies) میں موجود ہے۔ آپ نے بطور ساربان، کان کُن، ہاکر اور تاجر وغیرہ مختلف کام کیے اور بالآخر بطور طبیب (Herbalist) پریکٹس کرتے رہے اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچاتے رہے۔ آپ کے حلقۂ ارادت میں ہزاروں لوگ شامل تھے۔ آپ ہمہ تن بنی نوع انسان کی خدمت کے لیے مصروف رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ 1934 میں جب بعض حالات کی بناء پر مجبور ہو کر آپ نے آسٹریلیا چھوڑنے کا فیصلہ کیا تو دس ہزار اور ایک حوالہ کے مطابق 19000 آسٹریلوی باشندوں نے آپ سے تحریری درخواست کی کہ آپ آسٹریلیا چھوڑ کر نہیں جائیں۔

آپ فیس نہیں لیتے تھے لیکن ہدیہ قبول کر لیتے تھے، جو کماتے، غریب اور بے کس لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کی وفات ہوئی تو ایڈیلیڈ میں آپ کے جنازے میں شامل ہونے والوں کی قطار ڈیڑھ میل سے لمبی تھی۔ آپ کو جو بھی ملتا، صدقہ اور خیرات کر دیا کرتے تھے اور اپنی وفات کے بعد بھی اپنی جائیداد وغیرہ جو دس ہزار پاؤنڈ سے زیادہ تھی، بچوں کی بیماری اور انکی نگہداشت کرنے والے اداروں کے نام کر دی۔

محمد عالم قندھاری صاحب 1857 میں قندھار افغانستان میں پیدا ہوئے اور مدرسے سے ہی ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی۔ آپ کبھی بھی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کر سکے۔ آغاز میں آپ گھوڑوں کی تجارت کا کام کیا کرتے تھے جو آپ برصغیر میں موجود برٹش (British) فوجوں کو سپلائی کرتے تھے۔ اس طرح آپ کو ان کے طور طریقوں سے واقفیت حاصل ہوئی۔ چونکہ اس وقت کئی افغان آسٹریلیا میں بطور ساربان کام کر رہے تھے لہذا آپ بھی 1880 کی دہائی کے آخر میں آسٹریلیا بطور ساربان کام کرنے کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے آغاز میں یہاں بطور ساربان، کان کن اور تاجر وغیرہ کام کیے۔ اونٹ پر سوار ہو کر آپ نے آسٹریلیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کیے۔ کولگاری گولڈ فیلڈز (Coolgardie Goldfields) سے لے کر برسبن (Brisbane) تک، پھر برک (Bourke)، فرینہ (Farina) اور پھر نولابار صحرا (Nullarbor desert) پرتھ کی طرف کئی دفعہ سفر کیا۔ اسی طرح آپ نے براعظم کے دوسرے سرے پر واقع ٹاونزوِل (Townsville) اور برُوم (Broom) کی طرف بھی سفر کیا۔



ان سفروں کے دوران جہاں بھی غریب، بے سہارا اور بیمار افراد کو دیکھتے اپنی طبابت اور دوائیوں سے ان کا علاج کرتے جو آپ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ آپ کہتے تھے کہ طبابت خداداد تحفہ ہے اور یہ فن ہمارے خاندان میں ایک لمبے عرصے سے چلا آرہا ہے۔ کچھ عرصہ آپ New South Wales میں بھی رہے اور آپکی Lismore میں پارچہ فروشی کی دکان تھی بعد ازاں Wilcaria کے لوگوں میں آپ بطور طبیب مشہور ہوئے۔

بعض اوقات وہ غریب الوطن جیسے ہندو یا آئی لینڈرز وغیرہ جن کو رنگ اور نسلی تعصب کی وجہ سے کسی ہوٹل وغیرہ میں ٹھہرنے کی جگہ نہیں ملتی تھی تو آپ اُن کو اپنے ساتھ ٹھہرا لیتے تھے۔ اور ایک وقت میں کئی کئی لوگ آپ کے پاس ٹھہرتے اور آپ ان کی خدمت کیا کرتے تھے۔ جب آپ بروکن ہل (Broken Hill) کی کانوں میں کام کیا کرتے تھے تو کانوں میں کام کرنے کے حالات سخت مشکل تھے جہاں گھٹنوں برف کی طرح ٹھنڈے پانیوں میں کھڑا رہنا پڑتا تھا۔ اس زمانے میں بھی آپ نے خاص طور پر وہاں کام کرنے والے لوگوں کی تکالیف دور کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اور خود جب

بڑھاپے میں گھٹیا یعنی (جوڑوں کا درد) کے مریض ہو گئے تو کہا کرتے تھے کہ یہ ان دنوں کی یادگار ہے جب ہم بروکن ہل (Broken Hill) کی کانوں میں گھٹنوں تک برف کی طرح ٹھنڈے پانی میں کھڑے رہا کرتے تھے۔

تقریباً تمام آسٹریلیا گھومنے کے بعد 1928 میں بالآخر آپ ایڈیلیڈ (Adelaide) میں سکونت پذیر ہو گئے اور ایڈیلیڈ کی محمڈن مسجد کے قریب ہی 181 Sturt Street میں 2 منزلہ رہائش لے کر طبابت شروع کر دی اور جلد ہی آپ بطور طبیب مشہور ہو گئے اور لوگوں کا جمِ غفیر آپ کے کلینک پر لگا رہتا۔ لہذا پریس (Press) میں وقتاً فوقتاً آپ کے بارے میں خبریں چھپتی رہتیں۔ چنانچہ اس مقبولیت کے نتیجے میں ایڈیلیڈ کے بعض ڈاکٹروں نے آپ کے خلاف مقدمہ کر دیا کہ چونکہ آپ کے پاس کوئی باقاعدہ طبی تعلیم کی ڈگری نہیں لیکن پھر بھی اپنے آپ کو Medical Practioner کہتے ہیں اس کے نتیجے میں آپ کو 45 پاؤنڈ کا جرمانہ بھی کیا گیا لیکن آپ یہی کہتے رہے کہ میں لوگوں سے یہی کہتا ہوں کہ میں Herbalist ہوں اور میرے پاس کوئی میڈیکل کی ڈگری نہیں ہے۔ بہر حال اس مقدمے کا نقصان الٹا ڈاکٹرز کو ہی ہوا کیونکہ اس کے نتیجے میں محمد عالم قندھاری صاحب کی مقبولیت میں مزید اضافہ ہوا۔ چنانچہ محمد عالم قندھاری صاحب کہا کرتے تھے کہ ڈاکٹرز نے جو کیا وہ ایک طبعی امر ہے کیونکہ ان کے پاس مریض جانا بہت ہی کم ہو گئے تھے۔

Christine Stevens آپ کے بارے میں لکھتی ہے کہ 1930 اور 1940 کی دہائی میں آپ کا نام ساؤتھ آسٹریلیا کے تقریباً ہر گھر میں جانا جاتا تھا۔ جیسا کہ لکھا ہے

"محمد عالم قندھاری صاحب (He) Become a household name in South Australia"[14][15]

## قبولِ احمدیت

اِس وقت موجود تاریخی حوالوں کے ذریعہ محمد عالم قندھاری صاحب کی قبول احمدیت کے بارے میں حتمی طور پر کوئی تاریخ یا سن معین کرنا مشکل ہے۔ مختلف حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کو لمبے عرصے سے جانتے تھے۔ غالباً اُسی زمانے سے آپ دونوں کی شناسائی تھی جب حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ آسٹریلیا تشریف لائے تھے۔ لہذا آپ دونوں کے درمیان رابطہ رہتا ہوگا۔ چونکہ مولانا دوست محمد شاہد صاحب نے محمد عالم قندھاری صاحب کا ذکر 1930 کے اوائل میں کیا ہے اور اسی زمانہ میں حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کے ایڈیلیڈ

کے دورے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کا بھی ذکر ملتا ہے۔ لہٰذا قرین قیاس یہی ہے کہ آپ نے اُسی زمانے میں ہی احمدیت قبول کی ہو گی۔ کیونکہ 1932 میں آپ نے حضرت حسن موسیٰ خان صاحب کی کتاب History of Islamism in Australia چھپوائی جس کے کل 96 صفحات ہیں۔ جن میں سے پہلے حصے میں حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ نے محمڈن مسجد پرتھ کی تاریخ اور اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے بارے میں لکھا ہے جبکہ دوسرا حصہ محمد عالم قندھاری صاحب کے ان خطوط پر مشتمل ہے جو ان کے مریضوں نے بطور اظہارِ تشکر آپ کو لکھے ہیں۔ محمد عالم قندھاری صاحب خود پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن اسلام اور قرآن کریم کی تعلیمات وغیرہ پر مشتمل کئی کتب آپ نے چھپوائیں۔ چنانچہ محمد حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی کتاب کے علاوہ خواجہ کمال الدین صاحب کی نماز کے بارے میں کتاب جو آپ کی طرف سے چھپوائی گئی، ابھی تک بعض لائبریریوں میں موجود ہے۔ اسی طرح Genuine Islam اور دیگر کئی کتب ابھی بھی اسٹیٹ لائبریری وکٹوریہ، نیو ساؤتھ ویلز، ساؤتھ آسٹریلیا (State Libraries NSW, Victoria & South Australia) اور موناش یونیورسٹی (Monash University) میلبورن میں موجود ہیں۔

آپ اسلام اور قرآن کریم کی تعلیمات اخبارات میں چھپواتے رہتے تھے اور لوگوں کو اپنے کلینک آکر قرآن اور اسلام کے بارے میں کتب اور پمفلٹس پڑھنے کی دعوت دیتے تھے۔ آپ اپنے مریضوں کے ساتھ بھی بعض اوقات اسلام، آنحضورؐ اور قرآن کریم کی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر بات کیا کرتے تھے۔ بلکہ مائیکل سگلر (Micahel Cigler) نے یہاں تک لکھا ہے کہ آپ لوگوں کو اسلام قبول کرنے کے لیے کہا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ آسٹریلیا میں غالباً وہ پہلے شخص ہیں جس نے قرآنی تعلیمات کے مطابق غذا کے خواص اور انسانی جسم پر اس کے اثرات پر آواز اٹھائی، چنانچہ مائیکل سگلر (Micahel Cigler) لکھتا ہے

Mohomat Allum may be the first person in Australia to publish writings about "the health aspect of food from the Islamic point of view."[16]

اسی طرح سؤر کی حرمت کے بارے میں آپ کے نظریہ کا ذکر کرتے ہوئے Christine Stewens لکھتی ہیں

Mohamet Allum wrote that the very name contains an allusion to prohibitation of "its fresh."[17]

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہی وہ الفاظ ہیں جو حضرت مسیح موعودؑ نے " **اسلامی اصول کی فلاسفی**"میں خنزیر کی حرمت کے بارے میں لکھے ہیں۔

اسی طرح جب کبھی آنحضورؐ کی عزت پر حملہ کیا جاتا تو آپ بھرپور جواب دیتے۔ چنانچہ آنحضورؐ کی تعددِ ازواج کے متعلق بحث کے دوران تاریخ میں ایک حوالہ یوں ملتا ہے۔ آپ کہتے ہیں

"You Westerners, you know nothing of our faith, except that Mohammad (S.A.W) had four wives. You must remember that in those days there were fierce fightings among the tribes and therefore many widows living nomadic lives. those women had to have the protection of man, and with the made population decimated plural morriages was the only answer. The Prophet Mohammad had only one wife formost of his life and look others when he was an old man"[18]

ایک دفعہ جب حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ان کا نظریہ پوچھا گیا تو کہا

"I am not antichiristian, afterall Jesus Christ is a prophet of the Islamic faith too, but we consider him a man and a mortal. What we dislike are the hundred of sets your relegionshave split into; and I cannot understand people who go to church on Sundays to worship a man who had colored skin and then for rest of the week practice the intolerance of the color" [19]

اسی طرح آپ کے عقائد کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے Chiristine Stevens کہتی ہیں

"...He never made explicit clains to Sufism, Mohamet Allum may have belonged to the order... From the evidence of Mohamet Allum's background and life's work in Australia, he appears to have been oriented towards Sufism. He was criticized

by other Afghans for rarely visiting the mosque, and for not taking part in communal religious activities, both exteend of faith. Yet his conviction was firm, his influence strong, and he left his mark indelibly on the people of Adelaide. His spiritual direction was definitely towards a kind of practical mysticism" [20]

لیکن کاش! محمد عالم قندھاری صاحب کے بارے میں کرسٹین سٹیونز(Chiristine Stevens) کی تحقیق اُسے تصوف کے غلافوں میں لپٹے ہوئی صوفی ازم کی بجائے اُس نور کی طرف رہنمائی کرسکتی جو اس زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعے سے نازل ہوا اور دنیا کے دور دراز کونوں میں رہتے ہوئے مخلصین کے دلوں پر اترا اور وہ دل اس نور کو اپنے سینوں میں چھپائے اپنے آقا محمد مصطفی ﷺ اور ان کے عاشق صادق مسیح ومہدی موعودؑ کا نام لیتے اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔

اسی طرح یہی مصنفہ محمد عالم قندھاری صاحب کے بارے میں ایک جگہ لکھتی ہیں کہ محمد عالم صاحب نے 1935 میں ایڈیلیڈ کی Centennial Park Cemotry میں مسلمانوں کی تدفین کے لیے ایک قطعہ زمین حاصل کیا لیکن شاید دیگر مسلمانوں سے کسی چپقلش کی وجہ سے اس قطعہ میں سوائے محمد عالم قندھاری صاحب کے کوئی دفن نہیں ہوا اور وہ اس بات پر حیرت کا اظہار کرتی ہیں کہ وہ جگہ جہاں دیگر مسلمان مدفون ہیں اس کو تو قبرستان میں مسلمانوں کے قطعہ سے موسوم کیا گیا ہے لیکن محمد عالم قندھاری صاحب کے قطعے کو "جنرل" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

کرسٹین سٹیونز(Chiristine Stevens) نے محمد عالم قندھاری صاحب کے بارے 1935 کے دور کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ دیگر مسلمان انہیں Heretic سمجھتے تھے اور یہ لفظ آج بھی احمدیوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ یہ قریباً وہی زمانہ ہے جب محمڈن مسجد پرتھ والوں نے حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ سے جھگڑا کھڑا کیا(وصیت ریکارڈ میں یہ موجود ہے)لہذا عین ممکن ہے کہ اسوقت ان مسلمانوں کی مخالفت کی وجہ سے احمدیوں کو تکلیف بھی اٹھانی پڑی ہو(واللہ اعلم بالصواب)

آپ کے احمدی ہونے کی شہادت ایک غیر از جماعت دوست مکرم ہاشم درانی صاحب سے بھی ملتی ہے جو 1950 کی دہائی میں افغانستان سے آسٹریلیا آئے تھے وہ آسٹریلیا کے سابق اٹارنی جنرل مسٹر فلپ راڈک (Mr Philip Ruddock) کی ایک دعوت میں محترم امیر و مشنری انچارج جماعت احمدیہ آسٹریلیا مکرم محمود احمد شاہد صاحب سے ملے

اور بعد ازاں مسجد بیت الھدیٰ سڈنی بھی ملاقات کیلئے تشریف لائے انہوں نے محمد عالم قندھاری صاحب کا اسی طرح پر ذکر کیا کہ وہ احمدی تھے۔

## خدمتِ انسانیت اور صدقہ و خیرات

محمد عالم قندھاری صاحب کی سیرت کا سب سے حسین اور نمایاں پہلو آپ کی خدمت انسانیت ہے۔ یہ خدمتِ انسانیت آپ نہ صرف اپنے خداداد علم اور حکمت سے کرتے بلکہ غرباء، مساکین اور بیروزگار افراد کی مالی امداد کر کے بھی کرتے رہتے۔ مائیکل سِگلر (Micahel Cigler) آپ کے صدقہ و خیرات کے بارے میں لکھتا ہے

"He was a natural giver, he gave money to every charitable institution in Adelaide and to poor and unemployed people"[21]

ایڈیلیڈ میں قیام کے ابتدائی چھ سالوں میں آپ نے تقریباً پندرہ ہزار پاؤنڈ صدقہ دیا جس پر ٹیکس ڈیپارٹمنٹ نے آپ سے اُس پر ٹیکس ادا کرنے کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ اس موقع پر آپ نے عوام و خواص کو مخاطب کرتے ہوئے ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں لکھا

"I was doing this quietly for God's name as charity, and i was a foreigner and doing it for another race. It's not as though I were accumulating thousands, because I was gibing away as fast as I received it, but inspite of my quiet way in giving to help in this way, it seems as if I was not doing enough".[22]

بہر حال اس کے بعد آپ نے اعلان کیا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ آسٹریلیا چھوڑ دوں۔

اس اعلان کے بعد آسٹریلیا بھر سے خطوط اور درخواستوں کا تانتا بندھ گیا کہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔ پھر ایک درخواست محمد عالم قندھاری صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی جس پر دس ہزار لوگوں کے دستخط تھے۔ اس درخواست کا کچھ حصہ یہ ہے

"We, undersigned, resent the Goverment's action in forcing Mr. Mohomet Allum of 181 Sturt St, to pay taxation on money given to the poor and sick and needy of Australia. Mr. Mohomet Allum has given away thousands of Pounds-not to become prominent himself, but to assist to poor and the suffering. He attends five hundred patients a day, give away 2500 bottles of medicine, a week, has treated th thousands of patients, and for grater than this, is giving his whole life to the poor and the suffering of Australia. We petition him to overlook the ingratitude of our short sighted Government officials and to remain with us, doing God's work as no other man has done in our tome"[23]

گریٹ ڈپریشن (Great Depression) کے دوران آپ غرباء اور بے روزگار افراد کو باقاعدگی کے ساتھ کھانا، کپڑے، پیسے اور بعض اوقات جانور جیسے دُنبے وغیرہ بھیجا کرتے تھے۔

آپ کی خدمتِ انسانیت کا یہ سلسلہ ساری عمر جاری رہا۔ چنانچہ 1951 میں ایڈیلیڈ کے پولیس کمشنر ریمنڈ ایل۔ لین آپ کو لکھتے ہیں۔

Dear Sir,

The Commissioner, officers and men of the South Australia Police Fore extends to you every best wishes for a happy christmas and a bright New year.

Your good work in assisting those who are poor and needy and allwaiting of the sick merits it very highest praise and comondation. May you be spared to carry on your excellent work. [24]

آپ کی خدمتِ انسانیت کے واقعات سے تاریخ کے کئی اوراق بھرے ہوئے ہیں لیکن مضمون کی طوالت کے پیش نظر ان سب کا ذکر کرنا ناممکن ہے، البتہ یہ بتانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اسی خدمتِ انسانیت کی وجہ سے آپ بے شمار

لوگوں کی دعاؤں کا مورد بنے رہے۔ چنانچہ ایک صاحب اپنے بچے کی شفایابی کے بعد لکھتے ہیں کہ ہم نے اپنے بچے کو ایک دعا سکھائی کہ وہ ہر روز رات سونے سے قبل یہ دعا کرنا کبھی نہ بھولے کہ

"God Bless Mahomet Allum"

اسی طرح ایک مریضہ اپنے جذبات کا اظہار یوں کرتی ہیں کہ میرے پاس تشکر کے الفاظ نہیں ہیں اور نہیں جانتی کہ اس کے سوا کیا کہوں کہ

"God Bless You"

اس طرح آپ کے وجود میں آنحضرتؐ کی وہ حدیث بھی پوری ہوتی نظر آتی ہے جس میں درازی عمر کا نسخہ خدمتِ خلق بتایا گیا ہے۔

## عشقِ قرآن

آپ کی سیرت کا ایک اور خوبصورت پہلو آپ کا عشقِ قرآن ہے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ میں قرآن کریم سے راہنمائی لیتا ہوں۔ چنانچہ کرسٹین سٹیونز (Chiristine Stevens) لکھتی ہیں کہ آپ صرف چند گھنٹے سویا کرتے تھے اور اپنا فارغ وقت قرآن کریم کی تلاوت میں گذار دیا کرتے تھے۔ آپ کی مختلف وقتوں میں 3 شادیوں اور آخری شادی کے نتیجے میں ایک بیٹی کی پیدائش کا ذکر ملتا ہے۔ 1960 کے اوائل سے آپ کی صحت گرنی شروع ہوگئی اور بالآخر آپ 21 مارچ 1964 کو 108 برس کی عمر میں وفات پاگئے اور آپ کے جنازے میں ہزاروں لوگ شامل ہوئے جن کی قطار قریباً ڈیڑھ میل لمبی تھی۔ آپ کی قبر ایڈیلیڈ کی Centennial Park Cemetery میں General, Path 2, Grave 128 ہے

## حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی وفات

1930 کی دہائی کے آخر اور 1940 کے اوائل میں حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔ وصیت کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ 1934 کے قریب کے زمانہ میں آپ کی جائیداد کسی حادثے میں تباہ ہوگئی اور ایک خط سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ محمڈن مسجد پرتھ والوں نے کوئی جھگڑا ڈال دیا ہوا تھا۔

دوسری وجہ غالباً آپ کی ضعیف العمری اور پھر دوسری عالمی جنگ بھی تھی جنگ کے دوران مرکز سے خط و کتابت اور رابطے کا

سلسلہ بھی متاثر ہوا۔ مرکز کے ریکارڈ سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ شاید آپ نے اپنی عمر کا کچھ آخری حصہ بروم میں بھی گذارا۔ بہر حال احمدیت کا یہ بطلِ جلیل جو تیس سال سے زائد عرصہ اس سرزمین میں بطور آنریری مبلغ خدمات سرانجام بجالاتا رہا اور جسکی خدماتِ اسلامی 50 سال سے زائد عرصہ پر پھیلی ہوئی ہیں۔ 18 اگست 1945 کو اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گیا۔ آپ کی وفات کے بعد مرکز نے آپ کی اولاد سے رابطہ کرنے کی کوشش کی جو شاید کسی وجہ سے ممکن نہیں ہوئی۔ وصیت ریکارڈ میں ایک خط یوں ملتا ہے کہ

" وفات کے بعد 5 سال کے بعد جناب وکیل البشیر صاحب نے لکھا "ہم ان کے بچوں سے خط و کتابت کر کے ان کا حال دریافت کر رہے ہیں اگر آپ کو ان کے بچوں کا صحیح پتہ معلوم ہو تو مطلع فرمائیں۔

09 ستمبر 1950 کو دفتر مقبرہ بہشتی نے ایک خط مرحوم کے بیٹے اے۔ ایل۔ یوسف کو بروم کے پتہ پر لکھا کہ وہ مرحوم کی تاریخ وفات اور ان کی عمر سے مطلع کریں لیکن بیرونی لفافہ پر بیٹے کا پتہ لکھنے کے بجائے پتہ مرحوم حسن موسیٰ خان صاحبؓ کے نام سے دے دیا جس وجہ سے وہ خط D.L.O مدراس اور D.L.O لاہور سے ہوتا ہوا واپس ربوہ پہنچ گیا اور مرحوم کے بیٹے کو نہیں ملا"[27]

## حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی قبر کی تلاش

چونکہ حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی وفات کے بعد آسٹریلیا میں نہ تو باقاعدہ نظامِ جماعت اور نہ ہی مبلغِ سلسلہ موجود تھے لہذا حضرت حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی جائے تدفین وغیرہ کے بارے میں کوئی ریکارڈ موجود نہیں تھا۔ 1980 کی دہائی کے اواخر میں جب جماعت احمدیہ آسٹریلیا کی تاریخ مرتب کرنے کے لیے ابتدائی کام شروع ہوا تب حضرت حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی قبر کی تلاش بھی شروع ہوئی۔ چنانچہ 1988 کا ایک خط محترم شکیل منیر صاحب (امیر جماعت احمدیہ آسٹریلیا) کے نام ریکارڈ میں موجود ہے جس میں حضرت حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی قبر کی تلاش کا ذکر ہے۔ لیکن اسوقت کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ سعادت مکرم ڈاکٹر ریاض اکبر صاحب کے حصہ میں آئی جنہوں نے کئی قبرستانوں کے ریکارڈز وغیرہ چیک کر کے آخر کار پتہ چلایا کہ حضرت حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی قبر پرتھ کے کاراکاٹا قبرستان میں سیکشن AA اور قبر نمبر 100 ہے۔ اور اب جماعت نے اس پر ایک کتبہ بھی لگوا دیا ہے۔

## بعض دیگر ابتدائی احمدیوں کی قبروں کا سراغ

حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی قبر کی تلاش کے دوران کاراکاٹا (Karrakatta Cemetery) قبرستان کے مسلم سیکشن میں بعض اور قبروں کے متعلق بھی معلوم ہوا کہ وہاں مدفون احمدی تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر ریاض اکبر صاحب، امیر جماعت احمدیہ آسٹریلیا محترم محمود احمد شاہد صاحب کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں "ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ کچھ دور ایک اور قبر کی جگہ پر ایک کتبہ پر حضرت مسیح موعودؑ کے اشعار کھدے ہوئے ہیں۔ اگرچہ کتبہ پرانا ہو گیا ہے مگر عبارت پڑھی جاتی ہے۔ لکھا ہے

اے حُبِ جاہ والو یہ رہنے کی جاء نہیں
اس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں
ایک دن یہی مقام تمہارا مقام ہے
ایک دن یہ صبح زندگی کی تم پہ شام ہے
کل نفس ذائقۃ الموت

دو قبروں کی جگہ اسکے ساتھ ہے۔ قبرستان کے ریکارڈ کے مطابق یہ جگہ ایک شخص عبدالعزیز نامی نے 1923 میں لی تھی مگر یہاں کوئی دفن نہیں ہوا۔ ان دو قبروں کی جگہ کے ساتھ جو تیسری قبر ہے اس پر ایک بڑا کتبہ ہے جس پر یہ نام لکھا ہے

A.Abdullah

Native of Hooglie, Calcuta Bengal, India

Age 65 Years

Lived in Australia for 30 years

1923

ان تینوں قبروں کے گرد ایک جنگلہ ہے۔ عین ممکن ہے کہ یہ قبر کسی احمدی دوست کی ہی ہو مگر مجھے جماعتی تاریخ کے ناموں میں جو نام دوست محمد شاہد صاحب نے اپنے ایک مضمون میں لکھے ہیں یہ نام نظر نہیں آیا۔
دعا کی درخواست کے ساتھ

والسلام

ریاض اکبر

12نومبر 2001 [28]

چنانچہ یہ بات قریب از قیاس ہے کہ حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی تبلیغ سے کئی لوگ احمدی ہوئے۔ لیکن ریکارڈ نہ ہونے کی وجہ سے اُن میں سے اکثر کے بارے میں معلوم نہیں اور شاید اُن میں سے کئی کے بارے میں کبھی معلوم نہ ہو سکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اُن کے اخلاص اور ایمان کو جانتا ہے ۔ اور وہی سب سے بڑھ کر جزا دینے والا ہے۔ پس اے رحمٰن اور رحیم خدا! تو اُن سب ابتدائی احمدیوں کے درجات بلند فرما اور انہیں اُن کے آقا حضرت مسیح موعودؑ اور پھر آنحضرتؐ کا قرب بھی عطا فرما جن کا نام لیتے ہوئے وہ اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے۔ (آمین)

## حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی اولاد

جیسا کہ قبل ازیں ذکر گذر چکا ہے کہ حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی شادی 1898 میں صوفیہ بلٹز (Sophia Blitz) صاحبہ سے ہوئی۔ اُن کے بطن سے آپ کے 4 بچے ہوئے۔ دو بیٹے اور دو بیٹیاں۔ جن میں سے ایک بیٹا کمسنی میں 3 برس کی عمر میں وفات پا گیا۔ اہلیہ کی وفات 1923 میں ہوئی۔ یہ دونوں قبریں بھی کاراکاٹا قبرستان پرتھ میں ہیں۔ دیگر تین بچوں کے نام درج ذیل ہیں

1. Emma Leah Mirian Victoria Musakhan
2. A.L.Joseph Musakhan
3. F.A. Musakhan

بڑی بیٹی E.L.M.Mushakhan صاحبہ کی شادی 1937 میں ایڈون ہاروی (Edwin Harvey) نامی شخص سے ہوئی اور آپ کی وفات 1981 میں پرتھ میں ہوئی اور کاراکاٹا قبرستان میں ہی آپ کی یادگار ہے[30][29]

بیٹے A.L.Joseph Musakhan کی شادی ڈھورٹی موسیٰ خان (Dorothy Margaret Musakhan) صاحبہ سے 1926 میں ہوئی لیکن اس کے علاوہ اُن کی اولاد در اولاد وغیرہ کا سراغ نہیں ملا سکا۔ شاید آئندہ اس پر مزید تحقیق ہو سکے اور

حضرت موسیٰ خان صاحبؓ کی جو اولاد احمدیت یعنی حقیقی اسلام سے بظاہر دور چلی گئی تھی اللہ تعالیٰ آپ کی نسل میں ایسے وجود پیدا کر دے جو اپنے جد امجد کی خدمتِ دین کی روح لے کر پیدا ہوں اور انہی کی طرح ہی خدمتِ دین بجالائیں۔

## سیرت حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحب

### تبلیغ

حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ وہ خوش نصیب بزرگ تھے جنہیں اس دور دراز کے براعظم میں مسیح الزماں ومہدی موعود علیہ السلام کے پیغام کو قبول کرنے اور اسکی ترویج کرنے کی توفیق ملی۔

چنانچہ آپؓ کی سیرت کا سب سے نمایاں پہلو آپؓ کا شوق وجذبۂ تبلیغ تھا۔ جیسا کہ مکرم مولانا دوست محمد شاہد صاحب نے لکھا ہے کہ "آپ کا تبلیغ کا جذبہ جنون کی حد تھ پہنچا ہوا تھا"۔

اور سیرت کا یہ وہ پہلو ہے جو آنحضرتؐ اور پھر حضرت مسیح موعودؑ کے صحابہ کرام میں بدرجہ اتم نظر آتا ہے۔ آپؓ نے تقریباً تمام آسٹریلیا کے مختلف حصوں میں خطوط لکھے، جہاں ممکن ہوا دورے کیے اسی طرح قریبی جزائر خصوصاً فجی میں رہنے والوں کو بھی خطوط لکھے اور تبلیغ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ آپ کی تبلیغی مساعی کے متعلق James Jupp ، Encyclopedia of Regligion in Australia میں لکھتا ہے

### اسلام اور آنحضرتؐ کے لیے غیرت

آپؓ، اسلام اور آنحضرتؐ پر اعتراض کرنے والوں کے خلاف ننگی تلوار تھے۔ اس وقت آسٹریلیا میں مسلمانوں کی تعداد معدودے چند تھی اور اس لحاظ سے مسلمان کم تر خیال کیے جاتے تھے اور وقتاً فوقتاً اسلام، قرآن اور بانیٔ اسلام کے متعلق بیہودہ گوئی کرنا یہاں بعض لوگوں کا محبوب مشغلہ تھا تو اس وقت ہمیں صرف ایک تنہا شخص ان سب کا مقابلہ کرتا نظر آتا ہے اور وہ شخص حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ تھے اور آپؓ کی انہی خدماتِ اسلام کی وجہ سے دیگر مسلمان آپؓ کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

### مسلمانوں کے تشخص کو اجاگر کرنے کے لیے خدمات

اس زمانے میں مسلمانوں کو Alien کہا اور سمجھا جاتا تھا اور مسلمان طرح طرح کے مذاق کا نشانہ بنائے جاتے تھے۔ ان کے رسم

ورواج اور طرزِ معاشرت پر طرح طرح کی باتیں بنائی جاتی تھیں۔ تاریخ میں ان وجوہات کی بناء پر ہمیں بعض ناخوشگوار واقعات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ نے مسلمانوں کے تشخص کو بحیثیت ایک قوم اور یہاں رہنے والوں کو ان کی طرزِ معاشرت کے بارے میں معلومات فراہم کرنے میں ایک قابلِ قدر کردار ادا کیا۔

## مسلمانوں کی مختلف سطحوں پر نمائندگی اور دیگر خدمات

جیسا کہ قبل ازیں تفصیل سے یہ ذکر گذر چکا ہے کہ آپؓ کو بارہا مختلف مواقع پر مسلمانوں کی نمائندگی کرنے کا موقع ملا اور آپ نے بہترین رنگ میں اس امانت کا حق ادا کیا۔ اسی طرح آپ نے مسلمانوں کے لیے جو خدمات سرانجام دیں ہمیشہ کے لیے تاریخ اسلام آسٹریلیا میں یاد رکھی جائیں گی۔

اُس وقت آسٹریلیا میں مقیم مسلمان پڑھے لکھے نہیں تھے۔ اس لیے کہیں تو آپ کسی مسلمان کے لیے کوئی درخواست لکھ رہے ہیں، کوئی چھوٹا سا خط اور کہیں سارے آسٹریلیا کے مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے پٹیشن (Petition) لکھ رہے ہیں۔ خاص طور پر 1904 کی پٹیشن جو آپؓ نے آسٹریلیا کے سارے ساربانوں کی طرف سے لکھی اور اس کا حوالہ کئی کتب میں محققین نے دیا ہے۔ اسی طرح پرتھ کی مسجد کے لیے آپ کی خدمات ہمیشہ کے لیے تاریخ کے صفحات کا حصہ بن گئیں۔ آپ کی یہ اسلامی خدمات اجتماعی بھی تھیں اور انفرادی بھی۔ ایک فرد کے لیے بھی تھیں اور ایک قوم کے لیے بھی۔

## اطاعتِ خلافت اور خلافت کے ساتھ زندہ تعلق

آپؓ نے اطاعتِ خلافت کی ایسی خوبصورت مثال چھوڑی ہے جو ہمیشہ کے لیے آسٹریلیا میں بسنے والے احمدیوں کے لیے نمونہ بن گئی۔ اسی طرح آپؓ کے بے شمار خطوط جو آپؓ نے خلیفۃ المسیح الاولؓ اور خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو لکھے، اس سے خلافت کے ساتھ آپؓ کے زندہ تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ آپ بارہا خلیفۂ وقت سے راہنمائی کے طلبگار ہوتے اور ان کے حکم پر عمل کرتے۔ چنانچہ 1913 میں جب آپؓ برصغیر میں تھے، آپؓ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ سے اپنے اہل وعیال کو واپس بلانے کی اجازت طلب کی۔ پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے آپؓ کی صحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اجازت دے دی لیکن دوبارہ صحت اچھی ہونے پر راہنمائی مانگنے پر فرمایا "آپ واپس جائیں اسی میں آپ کی بہتری ہے" چنانچہ آپؓ اپنے آقا کے حکم پر عمل کرتے ہوئے واپس آ گئے۔ اور پھر غریب الوطنی میں اسی سرزمین میں ہی دفن ہو گئے اور کبھی واپس نہیں گئے۔

## عشقِ مسیح موعودؑ

آپؓ کو حضرت مسیح موعودؑ سے گہرا عشق تھا آپؓ کی بڑی خواہش تھی کہ حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حاضر ہوں اور آقا کے دیدار کے خواہش پوری ہو۔ اس کا اظہار آپؓ کے کئی خطوط سے ملتا ہے لیکن آپؓ کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ لیکن اپنے آقا سے عشق کا اظہار آپؓ نے بارہایوں کیا کہ جو حکم یا ارشاد ملتا یا کوئی خبر ملتی، دل و جان سے اس پر عمل کرتے اور یہ نمونہ ہمیں آپ کی تمام زندگی میں نظر آتا ہے۔ خصوصاً نظامِ وصیت کے بارے میں پتہ چلتے ہی آپؓ نے حضرت مسیح موعودؑ کی آواز پر لبیک کہا اور اپنی وصیت لکھ کر اور ایک پونڈ چندہ بھیج کر عملی طور پر حضرت مسیح موعودؑ سے اپنی محبت کا ثبوت بھی دیا۔

## علم و فضل اور امانت و دیانت

آپؓ ایک انتہائی پڑھے لکھے انسان تھے جس کا اعتراف مسلمانوں اور غیر مسلموں نے بارہا کیا ہے۔ قرآن، اسلام اور آنحضورؐ کے دفاع پر آپؓ کے مضامین اور دیگر خطوط سے آپؓ کے تبحرِ علمی پر روشنی پڑتی ہے۔ اسی طرح جو بھی فرائض آپؓ کے ذمہ لگائے گئے آپؓ نے ایسے بہترین رنگ میں ان کی ادائیگی کی کہ غیر بھی آپؓ کی امانت و دیانت اور حسنِ معاملہ کے بارے میں رطب اللسان تھے۔

## حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کے بعد

مولانا دوست محمد شاہد صاحب حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کی وفات کے بعد آسٹریلیا میں احمدیوں کے بارے میں لکھتے ہیں

" آپؓ (حضرت صوفی حسن موسیٰ خانؓ ناقل) کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک جناب شیر محمد صاحب پرتھ میں ہی آنریری طور پر تبلیغ اسلام کا کام کرتے رہے، اس کے جلد بعد دوسری جنگِ عظیم چھڑ گئی جو 10 اگست 1945 کو ختم ہوئی۔ خاتمہ جنگ کے ٹھیک دو سال بعد برصغیر کی تقسیم عمل میں آگئی اور حضرت مصلح موعودؓ 31 اگست 1947 کو ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے۔ حضورؓ کی فقید المثال قیادت میں جماعت کی از سرِ نو تنظیم ہوئی اور ربوہ جیسا عظیم الشان مرکز قائم ہوا۔ اس درمیانی عرصہ میں آسٹریلیا میں تبلیغ احمدیت کا فریضہ کس کس بزرگ نے ادا کیا؟ اور کس طرح اس دور افتادہ ملک میں اسلام اور احمدیت کے جھنڈے کو بلند رکھنے کی جدوجہد جاری رکھی؟ اس کی تفصیلات تحریکِ جدید کے مرکزی ریکارڈ میں موجود نہیں۔ البتہ یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ 1952 میں حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر آسٹریلیا میں مبلغ بھجوانے کی کوشش کی گئی مگر

حکومت سے اجازت نہ مل سکی۔

1953 میں پاکستان کے مندرجہ ذیل احمدی آسٹریلیا میں موجود تھے اور اپنی بساط کے مطابق زبانی اور تحریری دونوں طرح سے تبلیغ کر رہے تھے۔

1۔ مکرم حفیظ احمد گناچوری صاحب

2۔ مکرم شادی خان صاحب

3۔ مکرم رشید الدین صاحب قمر ابن مکرم مولانا قمر الدین صاحب فاضل (حال لنڈن)

6 اپریل 1953 کی ایک رپورٹ میں درج ہے کہ میلبورن کی پبلک لائبریری میں ٹیچنگ آف اسلام (Teaching of Islam) اور انگریزی ترجمہ قرآن رکھوایا گیا۔ اسی طرح رسالہ ریویو بھی جاری کروایا گیا۔ 1958 سے 1961 کی جو رپورٹیں تحریکِ جدید کے ریکارڈ میں موجود ہیں ان میں نہایت مخلص احمدی جناب خواجہ امیر بخش صاحب اور جناب حمید احمد صاحب کی مساعی جمیلہ کا بھی ذکر ملتا ہے اور ان مجاہدوں کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔" [31]

مندرجہ بالا ناموں کے علاوہ نذیر احمد ساجد صاحب اور شفیق احمد صاحب کے نام بھی ملتے ہیں۔ مولانا دوست محمد شاہد صاحب کے ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ 1940 کی دہائی سے لیکر 1970 کی دہائی کے اوائل تک آسٹریلیا میں موجود احمدیوں کا مرکز سے باقاعدہ رابطہ نہیں تھا اور جو احمدی آسٹریلیا میں موجود تھے غالباً ایک دوسرے کے وجود سے بے خبر اور ایک دوسرے سے دور مختلف علاقوں میں رہتے تھے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ان میں سے کئی احمدی مستقلاً آسٹریلیا میں نہیں رہے۔

بہر حال جو معلومات ابھی تک اکٹھی ہوئی ہیں ان کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت حسن موسیٰ خان صاحبؓ کے بعد مکرم شیر محمد صاحب، خواجہ امیر بخش صاحب، ملک محمد بخش صاحب پرتھ میں، محمد عالم قندھاری صاحب ایڈیلیڈ میں، مکرم علی بہادر خان صاحب برسبن میں اور مکرم شادی خان صاحب اور ان کی اولاد سڈنی میں مقیم تھے۔ اسی طرح 1960 کی دہائی میں خواجہ احسان اللہ صاحب بھی آسٹریلیا تشریف لائے۔ آپ حضرت صوفی حسن موسیٰ خان صاحبؓ کے بھتیجے اور صحابی حضرت مسیح موعودؑ حضرت ابراہیم خان صاحبؓ کے بیٹے تھے۔ آپ دہلی میں پاکستان ہائی کمیشن میں بطور فرسٹ سیکرٹری اور کچھ عرصہ کے لیے بطور ہائی کمشنر بھی کام کرتے رہے۔ بعد ازاں آپ کی اہلیہ اور آپ کے بیٹے ڈاکٹر مشتاق خان صاحب، ڈاکٹر اشفاق خان صاحب اور ڈاکٹر آفاق خان صاحب میلبورن میں سکونت پذیر ہو گئے۔ آپ کی وفات آسٹریلیا میں ہی ہوئی اور بیت الہدیٰ سڈنی سے ملحق قبرستان میں آپ اور آپ کی اہلیہ کی قبریں موجود ہیں۔

آپ نے حضرت مصلح موعودؓ کے معرکۃ الآراء لیکچرز پر مشتمل کتاب سیر روحانی کے کچھ حصہ کا انگلش ترجمہ بھی کیا۔ آپ کے والد حضرت ابراہیم خان صاحبؓ کا اور آپ کا ذکر کرتے ہوئے مکرم مولانا دوست محمد شاہد صاحب لکھتے ہیں

" حضرت ابراہیم خان صاحب ہی کے ذریعہ ڈاکٹر حاجی خان صاحب سابق صدر جماعت احمدیہ کراچی کا خاندان احمدیت کے نور سے منور ہوا۔ آغا احسان اللہ خان صاحب جو کسی زمانہ میں ہائی کمشنر برائے پاکستان متعینہ دہلی کے سیکرٹری کے معزز عہدہ پر فائز تھے اور جو اب آسٹریلیا میں ہیں، آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔ اخبار "البدر" قادیان کی 16 مارچ 1904 کی اشاعت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب محمد ابراہیم خان صاحب شریف بن حاجی موسیٰ خان صاحب برادر زادہ خان بہادر مراد خان مرحوم کراچی سے حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کے لیے قادیان پہنچے اور آپؓ 27 فروری 1904 کے دربارِ شام میں موجود تھے۔ اس موقعہ پر بعض احباب کو واپسی کی رخصت عطا ہوئی مگر انہیں حضرت مسیح موعودؑ نے ان کے اخلاص کے پیش نظر ارشاد فرمایا کہ " چند دن اور رہیں، آمدن بارادت رفتن باجازت "اُن ایام کی ایک تحریری یادگار" شعبہ تاریخ احمدیت" ربوہ میں محفوظ ہے۔ جو ایک فارسی مکتوب کی صورت میں ہے۔ جسے حضرت محمد ابراہیم خان صاحبؓ نے غالباً حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی خدمت میں دستی پیش کیا اور جس کے آغاز میں یہ تحریر تھا کہ بندہ آج برادرِ عزیز (حسن موسیٰ خان) کا ایک خط مع اشتہار کے جو آسٹریلیا سے ارسال کیا ہے پیش کر رہا ہے۔ امید ہے مناسب وقت پر اس کو حضرت جناب اقدس علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ بندہ کا اصلی مقصود حضرت اقدس کی توجہ اور دعا کا حصول ہے۔ اسی فارسی تحریر پر جو نہایت خوبصورت رسم الخط میں سیاہ رنگ سے لکھی ہے کوئی تاریخ درج نہیں البتہ اس پر راقم کا پتہ یہ لکھا ہے۔

بندہ محمد ابراہیم احمدی بن حاجی موسیٰ خان مرحوم از کراچی بندر قریب سرکاری باغیچہ

حضرت محمد ابراہیم خان صاحبؓ نے 20 مئی 1931 کو بمقام خیر پور سندھ انتقال کیا"۔[32]

محترم امیر جماعت احمدیہ آسٹریلیا مکرم محمود احمد شاہد صاحب، آغا احسان اللہ صاحب کے بارے میں بیان کرتے ہیں

”میں بھی مکرم کریم احمد سنوری صاحب مرحوم (صدر جماعت احمدیہ وکٹوریہ) کے ساتھ کئی دفعہ انہیں ملا۔ ہمیں ملنے کے لیے باقاعدہ تیاری کرتے، اچکن اور ٹوپی زیب تن کرتے۔ حضرت مسیح موعودؑ“ کے اردو اور فارسی اشعار خوب یاد تھے اور دونوں میاں بیوی خوب نظم سناتے۔ خان صاحب تو آسٹریلیا آنے سے قبل ایران میں پاکستان ہائی کمشن میں خدمت بجارہے تھے۔ ایک جماعتی انتخاب میں جو ڈاکٹر شوکت صاحب کے گھر میں ہوا تھا، بھی آپ شامل ہوئے“



آغا احسان اللہ صاحب

## خواجہ امیر بخش

خواجہ امیر بخش صاحب کا نام اوپر گذر چکا ہے۔ آپ بھی ابتدائی احمدیوں میں سے تھے۔ آپ کے والد 1880 کے اواخر میں آسٹریلیا آئے اور آپ 1903 میں پرتھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے تعلیم یہیں پرتھ میں حاصل کی۔ لیکن آپ پاکستان آتے جاتے رہتے تھے۔ آپ اور پھر آپ کے بعد آپ کے بیٹے صادق بخش صاحب محمڈن مسجد پرتھ کے ٹرسٹی بھی رہے۔ آپ کا خاندان پرتھ کے پرانے مسلمان خاندانوں میں سے ہے اور ابھی بھی آپ کی نسل پرتھ اور اس کے نواح میں رہتی ہے۔ آپ کے والد اُس وقت کے امیر مسلمانوں میں شامل تھے۔ جنہوں نے کئی دکانیں اور گھر خرید رکھے تھے اور مختلف چیزوں کی تجارت کیا کرتے تھے۔ آپ کے ایک بھائی بشیر بخش صاحب نے 1940 کی دہائی میں آسٹریلیشیا بنک (Australasia Bank) کے نام سے برصغیر میں ایک بنک کھولا۔ 1970 تک اس بنک کی پورے پاکستان میں 200 سے زائد شاخیں تھیں۔ قومی تحویل میں آجانے کے بعد اب وہ بنک الائیڈ بنک (Allied Bank) کے نام سے موسوم ہے۔ آپ کے والد نے لاہور میں ایک مسجد بھی بنوائی جو ابھی تک آسٹریلیا جامع مسجد کے نام سے لاہور میں موجود ہے۔ آپ کے بیٹے اور بیٹی نے ویسٹرن

آسٹریلیا میں مسلمانوں کو منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ خیبر کیفے (Khyber Cafe) کے نام سے ایک مشہور ریسٹورنٹ آپ کے بیٹے اور اُن کے ایک دوست ایوب خان صاحب چلاتے تھے اور عموماً پاکستان سے آنے والے وزراء اور دیگر لوگ آپ کے مہمان ہوتے۔

ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب مرحوم (جو جماعت احمدیہ آسٹریلیا کے پہلے صدر تھے) کے ایک مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ غالباً آپ کچھ عرصہ کے لیے لاہوری جماعت سے بھی وابستہ تھے لیکن پھر احمدی ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ میں جب آسٹریلیا آیا تو مجھے اُن کے بارے میں علم تھا اور سوچا کہ شاید رابطہ ہو لیکن یہاں آکر پتہ چلا کہ وہ 3000 کلومیٹر دور رہتے ہیں۔ لہذا وسائل کی کمی کی وجہ سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ مکرم سلیم صدیقی صاحب صدر جماعت احمدیہ ویسٹرن آسٹریلیا بھی اس خاندان کو جانتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ خواجہ امیر بخش صاحب احمدی تھے۔ خواجہ امیر بخش صاحب 1986 میں پرتھ میں فوت ہوئے اور کاراکاٹا قبرستان میں ہی آپ کی قبر ہے۔[33]

آپ کی اولاد میں سے آگے کوئی احمدی نہیں ہوا۔

## حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ کا مختصر دورہ آسٹریلیا

حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ 1965 میں نیوزی لینڈ سے واپسی پر 3 روز کے لیے آسٹریلیا ٹھہرے۔ چنانچہ اپنے اس



**Title :** Sir Zafrulla Khan in Australia [photographic image]. 1 photographic negative: b&w, acetate
**Date :** 1965
**Primary subject :** Not Assigned
**Secondary subject :** Not Assigned
**Image no. :** A1501, A6087/2
**Barcode :** 7572397
**Location :** Canberra
**Find other items in this series :** A1501
**Series accession number :** A1501/1

دورے کا ذکر کرتے ہوئے آپ تحدیثِ نعمت میں لکھتے ہیں

" ویلنگٹن (Wellington) سے میں سڈنی گیا۔ یہاں کی بندرگاہ کا منظر مشہورِ عالم ہے۔ جہاز سے تو ایسا ہی محسوس ہوا لیکن زمین پر سے کوئی ایسی غیر معمولی شان دکھائی نہ دی۔ اگر پانی پر جانے کا موقعہ ہوتا تو شاید اور کیفیت ہوتی۔ سڈنی میں چند گھنٹے قیام کے بعد ہوائی جہاز سے Canberra چلا گیا۔ سڈنی بڑی آبادی کا شہر ہے لیکن کوئی شان یا عظمت نظر نہ آئی۔ میرا قیام اتنا مختصر تھا کہ اس کے نتیجے میں صحیح اندازہ ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ کینبرا (Canberra) خوش نما شہر ہے۔ نقشہ بہت وسیع ہے۔ سڑکیں فراخ ہیں، پس منظر خوبصورت ہے، ہریاول اور کشادگی دل کو بھاتی ہے لیکن مکھیوں کی بہتات ہے جو بہت موٹی ہیں۔ کینبرا (Canberra) میں میرا قیام پاکستانی ہائی کمشنر ڈاکٹر اے۔ ایم مالک صاحب کے ہاں تھا جو میرے نہایت عزیز دوست ہیں۔ میں نے ان کے ہاں بہت آرام پایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں بہترین جزاء عطا فرمائے۔ آمین!

کینبرا (Canberra) کے قیام کے دوران جناب وزیر اعظم سر رابرٹ مینزیز (Sir Robert Menzies) سے ملاقات ہوئی جن کے ساتھ عرصہ سے میرے دوستانہ تعلقات ہیں۔ سر جیمز پلمسول (Sir James Plimsoll) سے بھی ملا جو اس



**Title :** Sir Zafrulla Khan in Australia [photographic image]. 1 photographic negative: b&w, acetate
**Date :** 1965
**Primary subject :** Not Assigned
**Secondary subject :** Not Assigned
**Image no. :** A1501, A6088/1
**Barcode :** 7572398
**Location :** Canberra
**Find other items in this series :** A1501
**Series accession number :** A1501/1

زمانے میں اقوام متحدہ میں آسٹریلیا کے مستقل نمائندے تھے جب میں پاکستان کا مستقل نمائندہ تھا۔ گورنر جنرل لارڈ کیسی (Lord Casey) سے میرے تعلقات 1937 سے ہیں۔ انہوں نے دوپہر کے کھانے پر بلایا اور ہم نے دو گھنٹے پرانی یادیں تازہ کرنے میں گذارے۔ تین دن کینبرا ٹھہرنے کے بعد میں صبح وہاں سے روانہ ہوا۔ سڈنی جہاز تبدیل کر کے اسی رات بفضلِ اللہ کراچی پہنچ گیا۔“

## حوالہ جات

[1]. History of Islamism in Australia by M.H.Musakhan 1932 p.59

[2]. History of Islamism in Australia by M.H.Musakhan 1932 p.59

[3]. History of Islamism in Australia by M.H.Musakhan 1932 p.59

[4]۔ روزنامہ الفضل 29 ستمبر 1983 صفحہ 5 کالم

[5]. The Register (Adelaide, SA : 1901 - 1929), Wednesday 25 June 1919, page 9

[6]. History of Islamism in Australia by M.H.Musakhan 1932, p.59

[7]. Encyclopaedia of Religion in Australia by James Jupp 1989, P.443

[8]. History of Islamism in Australia by M.H.Musakhan 1932, p.60-61

[9]. History of Islam in Australia by Bilal Cleeland

[10]. History of Islamism in Australia by M.H.Musakhan 1932, p.56

[11]. History of Islamism in Australia by M.H.Musakhan 1932, p.63-64

[12]۔ تاریخ احمدیت جلد نمبر 5 صفحہ نمبر 100

[13]۔ روزنامہ الفضل 29 ستمبر 1983 صفحہ 5 کالم 3

[14]. Tin Mosques & Ghantowns, Christine Stevens; Oxford University Press Australia 1989

[15]. The Afghans in Australia by Michael Cigler

[16]. The Afghans in Australia by Michael Cigler, P.132

[17]. Tin Mosques & Ghantowns, Christine Stevens; Oxford University Press Australia 1989. P.200

[18]. The Afghans in Australia by Michael Cigler, P.132

[19]. The Afghans in Australia by Michael Cigler, P.132-133

[20]. Tin Mosques & Ghantowns, Christine Stevens; Oxford University Press Australia 1989, P.198

[21]. The Afghans in Australia by Michael Cigler, P.127

[22]. The Afghans in Australia by Michael Cigler, P.127-128

[23]. The Afghans in Australia by Michael Cigler, P.129-130

[24]. The Afghans in Australia by Michael Cigler, P.131

[25]. The Afghans in Australia by Michael Cigler, P.134

[26]۔ ریکارڈ وصیت، حسن موسیٰ خان لائبریری بیت الہدیٰ سڈنی

[27]۔ ریکارڈ وصیت، حسن موسیٰ خان لائبریری بیت الہدیٰ سڈنی

[28]۔ مکتوب ڈاکٹر ریاض اکبر صاحب بنام مکرم و محترم امیر صاحب جماعت احمدیہ آسٹریلیا مکرم محمود احمد شاہد صاحب مورخہ 12 نومبر 2001، حسن موسیٰ خان لائبریری بیت الہدیٰ سڈنی

[29]۔ ریکارڈ وصیت، حسن موسیٰ خان لائبریری بیت الہدیٰ سڈنی

[30]. Western Australia Birth, Death & Marriage Registeration Department

[31]۔ روزنامہ الفضل 29 ستمبر 1983 صفحہ 5 کالم 3,4

[32]۔ روزنامہ الفضل 29 ستمبر 1983 صفحہ 4 کالم 3

[33]۔ ریسرچ پیپرز از ثمینہ یاسمین یونیورسٹی آف ویسٹرن آسٹریلیا Muslim Australian Contribution Bux Family as a Case Study.

[34]۔ تحدیثِ نعمت از حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ صفحہ نمبر 692

[35]. Encyclopedia of Religion in Australia by James Jupp; P. 443